جنگلی کبوتر
باندی
تین اناڑی
(ناول)
عصمت چغتائی
کتابی دنیا - دہلی

۱۔ جنگلی کبوتر

۲۔ باندی — ناول

۳۔ تین اناڑی

عصمت چغتائی

کتابی دنیا

۱۹۵۵، ترکمان گیٹ، دہلی ۔ ۶

1.Junglee kabootar
2.Bandi
3.Teen Anari
(NOVEL)

by

Ismat Chughtai

Year of Edition 2002
ISBN-81-87666-40-4

Price Rs.125/-

نام کتاب............ ۱۔ جنگلی کبوتر
۲۔ باندی
۳۔ تین اناڑی
(ناول)

مصنف........................ عصمت چغتائی
سن اشاعت........................ ۲۰۰۲ء
قیمت........................ ۱۲۵روپے
مطبع............ الف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

Published by:
Kitabi Duniya
1955,TurkmanGate,Delhi-6(INDIA)
E-mail:kitabiduniya@rediffmail.com

جنگلی کبوتر

نیم تاریک کمرے میں عابدہ دونوں ہتھیلیوں سے کنپٹیاں دبائے گم سم بیٹھی تھی رات آہستہ آہستہ سرمئی دھوئیں کی طرح کمرے میں بھرتی جا رہی تھی۔ مگر فضا سے زیادہ گہری رات اس کے ویران دل میں گھسی ہوئی تھی۔ آنسوؤں کے سوتے خشک ہو چکے تھے اور پلکوں میں ریت کھٹک رہی تھی۔ پاس کے بنگلے میں ٹیلی فون کی گھنٹی برابر سسکیاں لے رہی تھی۔ گھر والے شاید کہیں باہر گئے ہوئے تھے نوکروں کے کوارٹر سے دھیمی باتوں اور برتنوں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔

ہاتھ بڑھا کر عابدہ نے ڈبل بیڈ پر پڑے ہوئے کور کی سلوٹ مٹا دی، کاش، انسان کے ہاتھوں میں اتنا دم ہوتا کہ دل پر پڑی تہہ بہ تہہ شکنوں کو بھی مٹا سکتا۔ وحشت سے مفلوج ہو کر اس نے سرہانے کا لیمپ جلا دیا۔ بیڈ کور کے سبز اور سرمئی شگوفے کھل اٹھے ۔۔۔ آدھا پلنگ جاگ اٹھا تھا مگر وہ حصہ جہاں ماجد سوتے تھے قبر جیسی تاریکی میں ڈوبا رہا۔ ان کے سرہانے کا لیمپ عابدہ کی پہنچ سے دور تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ بیڈ لیمپ کی روشنی اس تاریکی کو نہ توڑ سکے گی۔ جس میں وہ ڈوب چکے تھے۔

عدت ختم ہوئے بھی چھ ماہ بیت چکے تھے۔ اماں کتنی بار لکھ چکی تھی کہ بیٹی ڈھنڈار گھر میں کب تک اکیلی جان کو گھلاتی رہو گی۔

مگر عابدہ نے غم کو زندگی کا سہارا بنا لیا تھا۔ اس کے پاس اور ان کی کوئی دوسری نشانی بھی تو نہ تھی۔ ماجد کے غم میں دو سراہت تھی۔ گو وہ خوب جانتی تھی کہ ڈبل بیڈ کا آدھا حصہ کبھی اجاگر نہ ہوگا۔ ہاتھ چھو جانے پر ان کا جسم چونک کر دعوت ہم آغوشی کبھی نہ دے گا اس کمرے میں ان کے مخصوص سگریٹ کی خوشبو کبھی نہ مہکے گی۔ اب کوئی غسلخانے میں صبح ہی صبح کھڑ بڑ کر کے بے سرے گیت نہ گائے گا۔ نہ بنا شیو کیا کسی کا کھردرا گال ٹھوڑی کو چھیلے گا

عین کھڑکی کے پاس چنبیلی کی جھاڑ جھنکاڑ بیل پر چڑیاں اودھم مچا رہی تھیں۔ کوئی بیل گاڑی چوں چوں روتی ہوئی سڑک پر گزر رہی تھی، عابدہ دبے پاؤں اٹھی، الماری کھول کر ماجد کی ایک قمیص نکالی۔ اسے خوب دونوں ہاتھوں سے مسلا پھر بڑی احتیاط سے زمین پر پھینک دی۔ کوٹ پتلون

اور نائی بے ڈھنگے پن سے آدھی کرسی پر آدھی نیچے ڈال دی، دراز میں سے ایک سگریٹ اور لائٹر نکالا سگرٹ سلگائی، ماجد کی طرف کا لیمپ آن کر دیا، اور سلگتی ہوئی سگریٹ ایش ٹرے کے ہونٹ پر ٹکا دی۔

ایک دم کمرے کی ویرانی رفو چکر ہو گئی۔ عابدہ نے اطمینان سے جھولنے والی کرسی پر بیٹھ کر ماجد کا سوئیٹر بننا شروع کر دیا۔

ممن باجی کی شادی میں پہلی بار براتیوں کے ساتھ قہقہے لگاتے اس نے بھائی ماجد کو دیکھا تھا۔ وہ اس کے دور کے رشتے کی خالہ کے بیٹے تھے۔ دیکھا نہیں تھا، مگر سنا بہت کچھ تھا ان کے بارے میں نہایت فلرٹ ہیں۔ ان گنت ناکام اور کامیاب عشق لڑا چکے ہیں۔ ہر سال سناونی آتی تھی کہ بھائی ماجد نے کسی ایکٹریس سے شادی کر لی۔ پھر سنتے شادی ہونے والی ہے مگر کسی دوست کی مطلوقہ بیوی ہے۔ کبھی سنا ایک لیڈی ڈاکٹر پر مہربان ہیں۔ سول میرج ہونے ہی والی ہے۔ اور وہ اسکول ٹیچر جس سے بے حد دوستی تھی خودکشی کی دھمکی دے رہی ہے۔ یہ باتیں سن سن کر بے انتہا گلیمر طاری ہو گیا تھا بھائی ماجد کی ذات سے۔ لڑکیاں مزے لے لے کر ان کے عشق کے معرکوں پر تبصرے کرتیں۔

بجیا کی شادی کے بعد خاندانی دعوتوں میں بھائی ماجد کو اور قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ قطعی یوسف ثانی نہ تھے، پر تھا کوئی چارم کہ مل کر کچھ جی جلتا، کچھ دل میں گدگدیاں سی ہوتیں کئی لڑکیاں تو بے طرح عاشق بھی ہو چکیں تھیں اور بھائی ماجد سے چھیڑی جاتی تھیں۔

"اچھا تو آپ ہیں عابدہ! انہوں نے چھوٹتے ہی چھینٹا کسا تھا۔

"جی، کیا آپ سے کسی نے میری شکائت کی؟" عابدہ نے چٹ سے جواب دیا۔

"آ۔۔۔ نہیں تو، شکایت تو نہیں کی، یہ میں نے کب کہا؟

"آپ نے کہا تو کچھ اسی انداز میں۔"

"بڑی قیافہ شناس ہو۔"

"جی شکریہ"! اور وہ بڑی تیزی سے مڑ کر خالہ بیگم کا ہاتھ بٹانے ڈائننگ روم میں چلی گئی تھی اسے غصہ آ رہا تھا۔ کیونکہ اس کا دل خواہ مخواہ اس بری طرح دھڑک رہا تھا۔

"اے بی ذرا کھیر کے پیالوں پر پستے کی ہوائیاں تو کتر کر چھوڑ دو، یہ لڑکیاں تو خدا جانے کیا۔ بچی کاری کر رہی ہیں۔" خالہ بیگم نے پیاز کے لچھے سیخ کباب کی ڈش میں جماتے ہوئے کہا۔

عابدہ نے دیکھا چار پانچ لڑکیاں دو کھیر کے پیالوں پر بجیا اور ان کے دولہا کا نام پستے کی ہوائیوں سے لکھنے میں جتی ہوئی تھیں، وہ جھک کر پڑھنے لگی تو شبانہ نے شرارت سے اس کے ہونٹوں پر چاندی کا ورق لگا دیا۔ شبانہ بھائی ماجد کی چھوٹی بہن تھی وہ ہر لڑکی کو بھابی کہہ کر چڑایا کرتی تھی۔

کھانا کھلاتے میں وہ بھائی ماجد کے پاس سے گزری تو انہوں نے چھینٹا کسا۔
لوگ خاطر مدارات کی آڑ میں تر مال اڑا رہے ہیں۔"
" اچھا آپ غیب دان بھی ہیں یا عینک میں ایکس رے لگی ہے جو پیٹ کے اندر کا حال معلوم کر سکتی ہے اس نے ترشی سے جواب دیا۔ خدا سمجھے دل پھر تلا مچیں بھر رہا تھا۔
پیٹ کا ایکس رے کرنے کی ضرورت نہیں ہونٹ جرم کی گواہی میں خود تول رہے ہیں،
تب چڑیل شبانہ کھلکھلانے لگی تھی۔ پونچھنے کے بعد بھی ہونٹوں پر چاندی کے ورق کا اثر باقی تھا۔
لیکن جب اس کی نظر بھائی ماجد کے سامنے رکھے کھیر کے پیالے پر پڑی تو دم نکل گیا۔"
عابدہ ماجد "پستے کی ہوائیوں سے لکھا ہوا تھا۔
اس نے چاہا پیالہ بدل دے، مگر ہاتھ بڑھایا تو ماجد نے روک دیا۔
"جی یہ میرے حصے کا ہے۔"
میں ۔۔۔ میں ۔۔۔۔ وہ ۔۔۔۔ میں دوسرا لائے دیتی ہوں۔" وہ بوکھلا گئی۔ اگر امی نے پیالہ دیکھ لیا یا کسی بڈھے بڑھیا کی نظر پڑ گئی تو قیامت ٹوٹ پڑے گی۔
"کیوں اس میں کیا برائی ہے؟"
"کچھ نہیں ۔۔۔ نہیں۔" اس نے جلدی سے پانچوں انگلیوں سے پیالہ ڈھک لیا۔
" تو پھر ۔۔۔۔ چھوڑیئے میرا پیالہ ۔ ماجد کی پانچوں انگلیاں اوپر سوار ہو گئیں۔ عابدہ نے جھجک کر ہاتھ کھینچ لیا۔
" اوہ ۔ " بھائی ماجد نے پیالہ کا راز معلوم کر کے لال ہونا شروع کیا۔ عابدہ کو کاٹو تو خون نہیں، وہ تیزی سے گلاسوں میں پانی انڈیلنے لگی۔
بعد میں اسے ہنسی آیا کرتی تھی مگر اس روز اس نے شبانہ کی وہ تاگ لی تھی کہ روتے روتے نگوڑی کا منہ سوج گیا۔ ساتھ میں ماجد بھائی کا بھی وہ دھوبی پاٹ کیا کہ یاد ہی کرتے ہوں گے۔ کیونکہ شبانہ لتری نے سب رو رو کے اپنے بھیا سے جڑ دیا۔
شبانہ کو رلا کر کیا ملا۔ مجھ سے نفرت کے اظہار کے اور بھی طریقے ہو سکتے تھے۔ ویسے اظہار کی آپ کو زیادہ زحمت کی ضرورت نہیں، میں ایسا کند ذہن نہیں ہوں۔" انہوں نے اسے دوسری کسی دعوت میں گھیر لیا۔
" وہ ۔۔۔ میں نے غصہ میں ۔۔۔ " اسے غصہ آ رہا تھا کہ اسے شبانہ پر ایسا شدید غصہ کیوں

"وہ بچہ ہے۔ وہ سمجھتی ہے جیسے وہ اپنے بھیا پر جان چھڑکتی ہے اور بھی سب لڑکیاں ویسے ہی محسوس کرتی ہوں گی۔ آپ اسے پسند ہیں۔ بے انتہا پسند ہیں۔ اپنی دانست میں وہ نہایت دل چسپ حرکت کر رہی تھی۔ اس بیچاری کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ آپ کو اس نے اتنی بڑی گالی دے دی۔"

"میں ۔۔۔ مجھے بڑا افسوس ہے نہ جانے کیوں میری زبان کو آگ لگ گئی اور میں نے بیچاری کو ڈانٹ دیا۔" عابدہ کا جی چاہا ڈوب مرے، یہ سب کیا ہو رہا تھا۔

"سنئے! وہ جانے لگی تو بھائی ماجد نے اسے روک کر پوچھا۔

"کیا آپ سے جو کچھ کسی کے بارے میں کہا جائے وہ بغیر پوچھے گچھے یقین کر لیا کرتی ہیں۔"

"نہیں تو۔"

"پھر آپ نے اسے طعنے کیوں دیئے؟

میں نے ۔۔۔ پتہ نہیں مجھے اس وقت کیا ہو گیا تھا ۔۔۔ میں اس سے معافی مانگ لونگی۔

اور ذرا مجھ سے معافی مانگنے کی اہمیت پر بھی غور کیجیئے گا۔ اگر کوئی آپ کے بارے ایسی واہیات باتیں کہتا تو، بخدا میں کبھی یقین نہ کرتا۔

"کیوں یقین نہ کرتے۔ آپ کو کیا پتہ کہ ۔۔۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"کیا جانتے ہیں۔؟

آپ کو جانتا ہوں ۔۔۔ میری بہنیں مجھے ہر خط میں آپ کی ایک ایک بات لکھتی ہیں۔ حتیٰ کہ یہ تک کہ فلاں دن آپ نے کون سے کپڑے پہنے تھے۔"

"اوہ ۔۔" عابدہ کو پھر غصہ آنے لگا لیکن صرف خود پر۔

"اچھا یہ بتایئے، آوارہ، بدمعاش اور لفنگا ہونے کے علاوہ مجھ میں اور کیا کیا عیوب ہیں؟

"کچھ نہیں۔" اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ بھائی ماجد تیزی سے مڑ کر اور لوگوں سے باتیں کرنے لگے۔

بھیا ماجد چلے گئے۔ اس سے ملے بھی نہیں، امی کو سلام کرنے آئے۔ وہ اندر دبکی بیٹھی رہی۔ انہوں نے اس کے بارے میں پوچھا تک نہیں۔

مگر ایک ہفتہ کے اندر اس کا پیغام آ گیا۔ بجیا نے بتایا کہ عابدہ کی مرضی پچھوائی گئی ہے۔ ویسے امی نے تو حامی بھر لی ہے۔"

"یونہی رسماً"

"اور جو میں انکار کر دوں تو۔۔۔۔"

"اے ہے دیوانی ہوئی ہو۔ اتنا اچھا لڑکا۔"

"ہوا کرے، اگر مجھے پسند ہو تو؟"

"اے چلو بنو مت۔ ہم سے اڑتی ہو۔ منہ سے بڑ بڑ بکتی ہو۔ ذرا آئینہ اٹھا کر صورت تو دیکھو"

اور لاجواب ہو کر عابدہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"اے بی دیوانی ہوئی ہے۔ اس میں کیا عیب ہے۔ دل ہی تو دیا ہے۔ کوئی خدا نہ کرے عزت تو نہیں دے دی۔"

"بجیا۔۔۔۔مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"کاہے سے؟"

"پتہ نہیں۔"

"چلو دیوانی نہ بنو۔ پھر کل شادی تھوڑی ہو رہی ہے۔ ماجد میاں نے تم سے خط و کتابت کی اجازت طلب کی ہے۔

"نہیں بھئی۔۔۔۔دوسرے خط و کتابت سے کیا ہوتا ہے۔"

"اے بی تو کیا کورٹ شپ لڑانے کے ارادے ہیں۔ اری! تم تو اتنی خوش نصیب ہو کہ بات چیت کا بھی موقعہ ملا، ہم نے تمہارے دولہا بھائی کی ایک جھلک بھینس کی کوٹھری میں سے چھپ کر دیکھی تھی۔ اور اللہ قسم اس ایک جھلک نے اپنے تو چھکے چھڑا دیئے۔ بس دن رات یہ لگتا تھا۔ وہ آئے ہیں بیٹھے گھور رہے ہیں۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں چھیڑ رہے ہیں۔ توبہ! بجیا ہنستے ہنستے لوٹ گئیں۔

"دل پھینک بے شک ہوں مگر اتنا یقین دلاتا ہوں کہ اب تک اس دل کو کسی نے اچکا نہیں ہے۔" ماجد نے اپنے خط میں لکھا۔ "اور یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ تم سے شادی کرنے کے بعد زاہد خشک بن جاؤں گا۔ یہ تم کو فیصلہ کرنا ہو گا کہ تم اپنی چیز واپس لے کر کسی اور کو دے دو گی یا نہیں۔

"میں دل لینے اور دینے کی چیز نہیں سمجھتی۔ دل کچھ بھی ہو آپ کی ملکیت ہی رہے گا۔ آپ جی چاہے تو بانٹتے پھریئے گا۔ مگر یہ یاد رکھیئے کہ میں بھاگی دار نہیں بن سکوں گی۔ عابدہ نے جواب

دیا۔
" بھئی بڑی کٹ حجتی کرتی ہو۔ اس کا یہ مطلب ہے ہماری شادی نہیں ہو سکتی۔ ماجد نے لکھا" نہیں اس کا یہ مطلب نہیں۔" عابدہ نے بڑے سوچ بچار کے بعد جواب دیا۔

شادی کے بعد عابدہ کو معلوم ہوا کہ جو خطوں کے ذریعہ جیت سکتا ہے وہ جب آمنے سامنے ہو تو انسان کیسا بے بس، کتنا مفتوح محسوس کرتا ہے۔ اس نے کبھی کسی دوسرے مرد سے محبت تو کجا اس کے خیال کو بھی دل میں جگہ نہیں دی تھی۔ ماجد کے عشق میں اسے خدا کا جلوہ نظر آیا۔ دونوں ہاتھوں سے اپنی دنیا سمیٹ کر اس کے وجود میں ڈبو دی، مگر نسوانی خودداری کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اگر ماجد کو آنے میں کبھی ذرا دیر ہو جاتی تو وہ بے قرار ڈبڈبائی آنکھوں سے دروازہ تکا کرتی لیکن جب وہ گھر میں داخل ہوتا تو اپنے دل کی دھڑکنوں کو مسل کر بڑی بے تعلق سی بن کر کسی فضول سے کام میں لگ جاتی۔ وہ بے قراری سے اسے اپنی آغوش میں کھینچتا تو وہ ضبط کر کے اس کے جوش پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈال دیتی۔
" ارے ارے ۔۔۔۔ یہ قالین تو دیکھئے۔ ٹھیک ہے نا۔" اور ماجد قالین کو دیکھنے لگتا۔ اتنے میں اس کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا۔ وہ اسے پیار کی طرف متوجہ ہونے کے کم سے کم موقعے دینے کے لئے نہایت خشک اقتصادی اور سیاسی مسئلہ میں الجھا دیتی۔
اور تو اور وہ اس ڈبل بیڈ پر بھی زرہ بکتر نہ اتارتی۔
کیونکہ وہ اس سے ڈرتی تھی۔
وہ ہرجائی تھا نا!
وہ سوچا کرتی اگر اس نے واقعی اپنا سارا وجود اس کے سپرد کر دیا اور اگر اس نے اس سے دغا کی تو پھر وہ کہیں کی نہ رہے گی۔ پھر وہ زندہ نہ رہ سکے۔ اس لئے وہ اسے ہر وقت یہی جتاتی کہ اس کے علاوہ بھی دنیا میں کام کی چیزیں ہیں۔ جو اس کی دلچسپی کا باعث ہیں۔

مگر ایک واقعہ نے اس کی پالیسی کو چکنا چور کر دیا۔ وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ ماجد کے ماضی کو وہ بھول جانا چاہتی تھی مگر اس نے بڑھ کر اس کا گلا ہی پکڑ لیا۔
ایک دن اسے کسی نامعلوم شخص نے فون کیا کہ ماجد کو فوراً اسپتال بھیج دو۔ کمرہ نمبر 6 میں اس کی بیوی کے بچہ ہوا ہے۔ بچہ تو تندرست ہے مگر ماں کا آخری وقت ہے۔ بے بے ہاسپٹل میں ہے۔

جب ماجد گھر میں داخل ہوا تو وہ عابدہ کو دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا، وہ اس وقت سے وہیں ٹیلی فون کے پاس بیٹھی تھی۔ ابھی تو اس کے بیاہ کی مہندی بھی ناخنوں پر چمک رہی تھی مگر اس کا جسم سرد تھا اور چہرہ مٹی کی طرح پیلا۔

" تمھاری بیوی کے بچہ ہوا ہے۔ " اس نے مسکرا کر کہا۔

ارے ابھی تو شادی کو دو مہینے بھی نہیں ہوئے ۔ بھئی واہ۔ " اس کی آواز سن کر ماجد کے گئے ہوئے حواس لوٹ آئے اور اس نے اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔

" مذاق مت کرو۔ انسان ہو یا درندے۔ " وہ اسے جھٹک کر دور ہو گئی۔ " ایک بیکس عورت تمھارے کمینے پن کا شکار ہو رہی ہے اور تم ۔۔۔ "

" عابدہ، یہ کیا کہہ رہی ہو؟

" میں نے تمہیں ہر جگہ فون کیا ۔۔۔۔ "

" مگر ۔۔۔۔ "

" جے جے ہاسپٹل میں ۔۔۔ بچہ تندرست ہے، مگر ماں کا آخری وقت ہے۔ " اس پر ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی۔

" تمہیں کیا ہو گیا ہے ۔۔۔۔ تمھارے سر کی قسم تمھارے سوا میری کوئی بیوی نہیں۔ "

" تو کیا تم نے اسے طلاق دیدی۔ درندے ۔۔۔۔ اپنے بچہ کی ماں کو " ۔۔۔۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اس کا گلا گھونٹ دیتی۔ ماجد نے اسے سنبھالنا چاہا مگر اس نے اس کا منہ کھسوٹ ڈالا۔ کپڑے پھاڑ دیئے اور دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر پھوٹ پڑی۔

" عابدہ خدا کے لئے ۔۔۔۔ رو مت میری بات سنو۔ "

" مجھے ہاتھ نہ لگاؤ، تم سمجھ رہے ہو میں اپنی قسمت کو رو رہی ہوں، نہیں نہیں خدا قسم میں اس بد نصیب عورت کے لئے رو رہی ہوں جس کے ساتھ تم نے دغا کی۔ "

" اوہ خدایا یہ کیا قصہ ہے۔ " ماجد کو کچھ عقل آئی۔ اس نے جے جے ہاسپٹل فون کیا۔

" ہلو ۔۔۔ پلیز کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کمرہ نمبر 6 میں مریض کا نام کیا ہے؟

بڑی ردو قدح کے بعد معلوم ہوا کمرہ نمبر 6 خالی ہے۔

" اوہ ۔۔۔ تو وہ مر گئی۔ اے خدا ۔۔۔ تم قاتل ہو ۔۔۔ تم نے اسے مار ڈالا ۔۔۔ اور تمھارا بیٹا ۔۔۔ بد نصیب بچہ، اب اس کا کیا ہو گا ۔۔۔ یتیم خانے میں پلے گا ۔۔۔ نہیں ۔۔۔ وہ یتیم خانے میں نہیں پلے گا۔ اسے ماں کا پیار نہیں ملا اور اس کا باپ شیطان ہے۔ "

ایک مصیبت ہو گئی۔ بڑی مشکلوں سے جے جے ہاسپٹل سے گواہی دلوائی کہ کمرہ نمبر 6 میں کسی عورت کے بچہ نہیں ہوا نہ کوئی عورت مری۔ ایک بدہضمی کے مریض لالہ جی تھے وہ بھی دو دن ہوئے رخصت ہو گئے۔ پھر اس معمہ کا بھید کھلا۔ ماجد کے دوست جنہوں نے یہ بھونڈا مذاق کیا تھا۔ وہ سمجھے تھے عابدہ مذاق پر ہنس دے گی۔ بڑی بحثوں کے بعد طے ہوا کہ واقعی غلطی اس احمق دوست کی تھی اور عابدہ کی ذہنیت کی کہ اس نے اس بہتان کا یقین کر لیا۔ بات آئی گئی ہو گئی مگر عابدہ اس ٹیلی فون کے بعد، جو اس کے دل پر گزری تھی نہ بھول سکی۔ یہ بات اسے بار بار ڈراؤنا خواب بن کر ستاتی کہ اس کے ہسپتال میں بچہ ہوا ہے۔ آخری وقت ہے اور ماجد کی نئی بیوی اسے ڈھونڈ رہی ہے۔ ٹیلی فون کر رہی ہے اور وہ نہیں ملتا اور وہ کمرہ نمبر 6 میں دم توڑ دیتی ہے۔

مگر دس برس گزر گئے، خواب سچا ثابت نہ ہو سکا۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ دونوں تندرست ہیں۔ بچہ نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

"خدا کے لئے آجاؤ۔" ماجد کا تازہ خط اس کے سامنے تھا۔ تار اور خط لگاتار آرہے تھے "امی جان کی حالت بہت نازک ہے۔" وہ بار بار جواب دیتی۔ ماجد کی ماں پر فالج کا دوسرا حملہ تھا۔ وہ انہیں دیکھ آیا تھا اور عابدہ ان کی تیمارداری کے سلسلہ میں رک گئی تھی۔ اب بڑی بی نہ مرتی تھیں نہ اچھی ہوتی تھیں۔ "میں انہیں اکیلا چھوڑ کر کیسے آجاؤں ایسے تڑپے کیوں جا رہے ہو۔ فی الحال وہاں کسی سے عشق کر ڈالو۔ گذر ہو جائے گی۔ وہ مذاق میں چھیڑنے کو لکھتی۔ جس کے جواب میں ماجد چڑ جاتا۔

"کیوں کیا دس برس میں سارے داؤں پیچ بھول گئے۔" اور وہ جلانے کو لکھتی۔ "بیچارے۔ تمہاری شامت آئی ہے۔" وہ جل کر لکھتا۔

خدا خدا کر کے امی جان ذرا ٹھیک ہوئیں تو مکن باجی اپنا چھوٹا بچہ جننے آن ٹپکیں ایک عابدہ ہی چھوٹی تھی باقی سب خود اپنے چوزے سمیٹنے میں جتی ہوئی تھیں۔

کہو تو بجیا کو ایسی حالت میں چھوڑ کر آجاؤں۔" اس نے ماجد کو لکھا۔

"نہیں۔ ایسی تو کوئی جلدی کی ضرورت نہیں۔ مگر خدا کے لئے اس کے بعد فوراً روانہ ہو جانا۔" ماجد نے مردہ دلی سے جواب دیا۔

اس چکر میں پورے چھ مہینے لگ گئے۔ جب وہ آئی تو ماجد میاں کا کچھ منہ پھولا ہوا تھا۔ مگر عابدہ گھر کی اجڑی صورت سنوارنے میں جٹ گئی۔ نہ چادر تولیہ کا پتہ، نہ برتنوں کا ٹھکانا۔ آدھے اوڑ پڑوس میں مانگے گئے ہوئے تھے۔

"خدا کے لئے نئے خرید لو کہ چھٹی ہو۔" ماجد نے ہر وقت پچوں کنٹوروں کا ذکر سن کر عاجز ہو کر کہا۔ مگر عابدہ کو تو ایک دھن سوار تھی۔ اس نے جب تک گھر چندن نہ کر لیا۔ تب تک چین سے نہ بیٹھی۔

بیڈ روم، ڈرائنگ روم اور باورچی خانہ سجا چکنے کے بعد اس نے کپڑوں، لتوں پر نظر ڈالی۔ ماجد کے تقریباً آدھے کپڑے غائب تھے۔ خود اس کی ساڑھیاں نہیں ملیں صوفیانی اور قیمتی کو چھوڑ کر بہت سی غائب تھیں۔ وہ نوکروں کو پھٹکارتی رہی۔ سب ہی قرآن اٹھانے کو تیار ہو گئے۔ بیرا خود روز صاحب کے سامنے ان کے بیڈ روم میں تالہ لگا کر چابیاں انہیں تھما دیتا تھا۔

سب سے زیادہ تو اسے فکر ماجد کی ہوئی۔ وہ بھی قریب قریب آدھا غائب تھا اجاڑ صورت کچھ کھویا سا۔ عابدہ گھر کے چکر میں غور بھی نہ کر سکی۔ وہ بھی کچھ گونگا سا ہو گیا تھا۔

"تم واپس آکر بھی نہیں ملتیں۔" اس نے شکایتاً کہا۔

"دیکھ رہے ہو گھر کا کیا پڑا ہو گیا ہے۔ میرا ٹیلکم پاؤڈر کا ڈبہ بھی غائب ہے۔ کس کس چیز کو روؤں۔

اس کی بدبو سخت ناپسند تھی تمہیں۔

"مجھے تو نہیں، تم ہی ناک بھوں چڑھاتے تھے۔ خیر غارت ہو گیا تو کوئی بات نہیں۔ مجھے تو اس بات کا غصہ ہے کہ یہ جھاڑو پھیری کس نے۔"

"میں نے!" ماجد نے مجرموں کی طرح اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

سگریٹ جل کر میز پوش پر گر پڑی۔ ایک جھٹکے سے وہ ماضی سے بھاگ کر کمرے میں لوٹ آئی۔ اس لمبے سفر نے اسے شل کر دیا۔ اس نے سوئٹر کرسی پر رکھ دیا۔ جب ختم ہو جائے گا تو اسے پریس کر کے پچھلے بنے ہوئے جو سوئٹر ختم کیا تھا اسی کے ساتھ رکھ دے گی۔

اس نے خود کو غم کے حوالے کر دیا۔ اور اپنی طرف کے حصہ پر لیٹ گئی آنسوؤں کنپٹیوں پر بہہ کر بالوں کو بھگونے لگے۔ اس نے پاس کے تکئے پر ہولے سے ہاتھ رکھا اور پھر ماضی کی طرف موڑ لیا۔ اتنی بار ہر واقعہ کو دہرایا تھا کہ سلسلہ جوڑنے میں ذرا بھی دماغ پر زور ڈالنے کی ضرورت نہ ہوئی۔

"کینٹین میں کام کرتی ہے؟

"کتنی بار پوچھو گی۔"

"جتنی بار تم کہتے رہو گے کہ تمہیں اس سے محبت نہیں۔" اس کی آواز میں موت کی سی دھیرج

تھی۔

"تب تو یہ بحث کبھی ختم نہ ہو گی۔"

"اس کے بعد بھی تمہاری رائے میں مجھے اس گھر سے جانا نہیں چاہیۓ۔"

"ہاں۔"

"میں اس ڈھنڈھار گھر میں اکیلی کیا کروں گی تم جاؤ گے تو۔۔۔"

"نہیں۔"

"مگر۔۔۔"

"میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔" ماجد نے بچوں کی طرح ضد کی۔ عابدہ کا جی چاہا اس کا منہ نوچ لے۔ وہ صرف مسکرا کر رہ گئی، ماجد کی آنکھیں جھک گئیں۔

"میں صبح کی گاڑی سے چلی جاؤں گی وہ فیصلہ کن انداز میں اٹھی۔

"تم صبح کی گاڑی سے تو نہ جاسکو گی۔" ماجد نے بڑے وثوق سے کہا۔ "اتنے سویرے کفن دفن کا انتظام نہ ہو سکے گا۔

"پھر وہی دھمکیاں! سوچو تم کیا کہہ رہے ہو؟ میرا ضبط فولاد کا نہیں بنا۔

میرا بھی یہی خیال تھا۔ کاش میں تمہارے ضبط کی دیوار ڈھا سکتا! تم عام عورتوں کی طرح میرا منہ نوچ لیتیں۔ مگر تم عام عورت نہیں۔ تم عابدہ ہو، تمھارے قدموں پر سر رکھ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کی بھی ہمت تو نہیں ہوتی۔"

ان سوقیانہ باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ میں نہیں چاہتی کہ تم اس کے ساتھ بھی دغا کرو۔

"عابدہ، تمہارے نرم لہجہ کا زہر مجھے مفلوج کئے دے رہا ہے۔ میں نے صرف اس امید پر کہ شاید تم دوسری عورتوں سے مختلف ہو اس لئے میری غلطی پر بے تعلق ہو کر سوچ سکو گی۔ اب تک وہ کچھ نہیں کیا جو مجھے کرنا چاہیۓ تھا۔

"کیا کرنا چاہیۓ تھا جو اب تک نہیں کیا؟

"مجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ ایک ادھورے انسان کو اگر معاف نہیں کیا جا سکتا تو ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے۔"

"یعنی خود کشی۔"

"بالکل۔"

"ان رومنٹک باتوں میں کیا الجھاتے ہو۔" عابدہ نے اکتا کر کہا

"عابدہ۔۔۔۔اگر میں نے غلطی سے انگارہ اٹھالیا تو کیا اب ساری عمر اسے، ہتھیلی پر رکھے پھونکتا رہوں۔

یہ قطعی بھونڈی مثال ہے۔ شعلوں سے کھیلنے کے تو تم ہمیشہ سے عادی ہو، دس برس تم ایک غیر مانوس اور غیر قدرتی زندگی گزارتے رہے۔ موقع ملتے ہی تم اپنی اصلیت پر آگئے۔" عابدہ کے لہجے میں کرختگی رچ گئی۔ ماجد کو کچھ امید بندھی۔

"عابدہ اگر ایسی ہی حماقت تم سے سرزد ہو جاتی تو بخدا میں ایسی سزا نہ دیتا۔ کیا تمہارا خیال ہے واقعی میں اس خالی الدماغ گنوار لڑکی کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہوں۔

"اگر وہ واقعی اتنی غیر دلچسپ تھی تو پھر تمہاری محبوبہ دلنواز کیسے بنی؟"

"لیکن اگر کوئی رفع حاجت کے لئے موتری میں داخل ہو جائے تو پھر اسے وہیں قید کر دینا چاہیئے اور کیا وہ وہاں ساری عمر رہ سکتا ہے۔ میں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ میں فرشتہ ہوں۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں نہایت بودا اور نامکمل انسان ہوں۔ مگر اتنی بڑی سزا کا حقدار نہیں خود ہی سوچو اگر میں اسے برداشت کر سکتا تو کون سی روک حائل تھی۔ تمہاری زبردستی کی ضرورت نہ ہوتی۔ میں تمہیں بغیر عذر کئے چھوڑ کر جا سکتا تھا۔ کیا تم مجھے روکتیں؟

"قطعی نہیں۔"

"یقیناً تم تو مجھے دونوں ہاتھوں سے دھکیل رہی ہو۔ اگر مجھ میں ذرا بھی خودداری ہوتی تو منہ کالا کر جاتا۔

"اگر مجھ سے کچھ ایسی ہی چوک ہو جاتی؟"

تو بخدا میں تمہاری ہڈیاں توڑ کے رکھ دیتا مگر تمہیں ایک وحشی درندے کے ساتھ رہنے کی سزا نہ دیتا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"کہ تم جو سزا چاہو دے لو۔ تمہیں مجھ سے گھن آتی ہے تو میں تمہیں تمہاری مرضی کے بغیر ہاتھ بھی نہ لگاؤں گا ہم دو دوستوں کی طرح تو رہ سکتے ہیں۔

"مگر کیا ضروری ہے کہ دوست رہیں بھی ساتھ اسے تمہاری ضرورت ہے وہ اکیلی زندگی کا مقابلہ کیسے کر سکے گی۔

"تمہیں اس پر بہت رحم آرہا ہے۔"

" وہ قابل رحم ہے۔ اور پھر اس بے گناہ معصوم کا کیا بنے گا؟ ماجد تمہیں اس سے شادی کرنا ہی پڑے گی۔

" عابدہ ۔۔۔ ماجد نے اٹھ کر بے قراری سے ٹہلنا شروع کر دیا۔ " تم ۔۔۔ تم جو بھی فیصلہ کرو گی میں اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ سوائے شادی کے، نہیں، پرانی گھسی پٹی سزا نہ دو، یہ میں نہیں سہار سکوں گا۔ شادی کسی مجبوری یا دباؤ کی بنا پر نہیں کی جاتی۔ "

" مگر ایک معصوم ۔۔۔ "

" میں مالی مدد سے انکار نہیں کر رہا ہوں۔ جو پبلسٹی ہو گی سو الگ۔ "

" مالی مدد ۔۔۔۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم روپے کو اتنی اہمیت دیتے ہو، کیا مالی مدد سے ہر بات کی تلافی ہو جاتی ہے "؟

" مجھے دنیاداری سے نفرت ہے، یہ شادی صرف دنیا کو دکھانے کے لئے کرنا ضمیر سے غداری ہو گی۔ میں اس لڑکی کے ساتھ لمبا سفر نہیں کر سکتا۔ "

" زیادہ ڈرامائی بننے کی ضرورت نہیں میں خوب سمجھتی ہوں۔ اگر تمہیں اس کا خیال نہیں تھا تو اسے میری ساڑھیاں کیوں دیں "؟

صرف اس لئے کہ وہ مجھے سخت ناپسند تھیں۔ اس لئے پھینک دیں۔ ماجد نے مری ہوئی آواز میں کہا" عابدہ کیا میں نے واقعی ان ہوا گناہ کیا ہے اس سے پہلے کسی نے یہ حماقت نہیں کی۔ میں تمہیں کتنی بار سمجھا چکا ہوں، میں بہت پریشان تھا میں نے تمہیں خط لکھے، تار دیئے تم نہ آئیں ۔۔۔ میں نے صاف صاف لکھا کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میرے خط اٹھا کر دیکھو۔ میں نے یہ تک لکھا کہ مرر جان اور ایمان پر بن آئی ہے، خدارا میری مدد کرو، مجھے بچالو۔ "

" امی جان کو کیسے چھوڑ کر آتی۔ پھر بجیا کی زچگی ۔۔۔ "

" تو اگر اس وقت میں مر بھی جاتا تو تم نہ آتیں۔ ساس اور بہن کے آگے میری کیا حقیقت تھی۔

" خدا نہ کرے اگر تم بیمار ہوتے تو ۔۔۔ "

" تو کیا میں بیمار نہیں تھا؟

" یہ کوئی بیماری نہیں۔ " عابدہ کھسیانی ہو گئی۔

" جان من دنیا کی یہ سب سے بھیانک بیماری ہے۔ اس نے بڑے بڑے مہارشیوں کے چھکے چھڑا دیئے ہیں۔ "

اف تم اپنی وکالت چھانٹ رہے ہو۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ "

"عابدہ میں تم سے ہرگز امید نہیں رکھتا کہ تم مجھے معاف کر دو اور سینے سے لگا لو، حالانکہ بخدا اس معجزے پر میں اپنی تین چوتھائی زندگی نچھاور کرنے کو تیار ہوں۔ میں جانتا ہوں تمہارے دل میں اب مجھے وہ مقام نہیں مل سکتا جو میں نے کھو دیا۔ مگر میں پھر تم سے التجا کروں گا ایک بار اس سے مل آؤ۔ پھر فیصلہ کرنا۔ اگر پھر بھی تم اپنے فیصلے پر قائم رہیں تو تم جو کہو گی وہی ہو گا۔"

"جانتی ہوں تم سے نہ جیت سکوں گی۔ مجھے اپنے اصول بدلنا پڑیں گے۔ تم ایک شادی اور بھی کر سکتے ہو، میری اجازت ہے۔"

مجھے تمہاری اجازت کے بغیر ابھی تین شادیوں کا حق حاصل ہے۔

شادی ایک مقدس عہد ہے جو ہر راہ چلتے سے نہیں کیا جا سکتا، اور نہ بار بار کیا جاتا ہے۔

"راہ چلتے سے پیار کیا جا سکتا ہے؟"

"اگر کوئی موری میں پھسل پڑے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے غلاظت سے پیار ہو گیا جسم کا ملاپ اگر اس میں روح کا دخل نہ ہو، پیار نہیں کہلاتا۔ ہوس اور محبت میں فرق ہے۔"

"اف خدایا۔۔۔ عابدہ نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا، اسے تعجب ہو رہا تھا کہ وہ کس خوش اسلوبی سے زندگی کے بھیانک ترین حادثے کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی۔ اس کا دل تمام جذبات سے خالی تھا۔

"میں اب زیادہ تم سے اپنی زندگی کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ "اگر عام مردوں کی طرح وہ زبردستی پر اتر آتا تو عابدہ کیا کر لیتی۔ "میں کہہ چکا ہوں وہ لڑکی بالکل کھو کھلی ہے۔"

"جسم تو کھوکھلا نہیں۔" عابدہ نے طعنہ دیا۔

"جسم بھی۔۔۔۔ اب میرے لئے اتنے عذاب لایا کہ مجھے اس سے گھن آنے لگی۔ عابدہ میں نے کئی بار سوچا تمہارے آنے سے پہلے چھٹکارا پا لوں۔ تم سے کیسے آنکھیں چار کروں گا۔ مگر تمہارے منہ سے تمہارا فیصلہ سنے بغیر میں مر بھی تو نہ سکا۔

"بس وہی کم سن لونڈوں جیسی دھمکیاں۔ کبھی امی جان کے بڑھاپے کا بھی خیال آتا ہے۔ انہیں تو جینے سے مر جانے دو۔ اکلوتے بیٹے کا غم اس بڑھاپے میں پہنچانا سب سے بڑی بزدلی ہے۔

نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

"اگر بچے کے خیال سے۔۔۔۔ نکاح کر کے بعد میں طلاق دے دینا۔"

"مجھ جیسا ادھورا انسان اگر زبردستی باپ بنا بھی دیا گیا تو بچہ اس پر فخر کر سکے گا۔

اول تو وہ پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو جائے گا۔ اور یہ شادی اور طلاق کا ڈھکوسلہ مجھ سے نہ ہو

سکے گا۔"

اسی ڈبل بیڈ پر جہاں پیار و محبت کے دھڑکتے ہوئے لمحے زندگی کا ماحصل بنے تھے۔ وہ رات گئے تک مل کر کتابیں پڑھنا، پیار کرنا۔ اور پھر دنیا بھر کی بحثیں اور پھر پیار اور پھر گپیں۔ ایک دوسرے کے وجود سے جی ہی نہیں بھر چکتا تھا۔ کبھی خالی گود کی کسک بھی نہ محسوس کی۔

آج اسی پلنگ پر دو اجنبیوں نے بیٹھے بیٹھے صبح کر دی۔

میلا میلا اجالا کمرے میں رینے لگا تھا۔ باورچی کی کوٹھری سے بچے کے ٹھنکنے کی آواز شروع ہو گئی تھی۔ ان بد نصیب میاں بیوی کے چہرے خاک کی طرح زرد اور بے جان ہو رہے تھے۔ یہ سہاگ رات کی شب بیداری نہیں۔ قیامت کی وہ رات تھی جو سورج کی روشنی میں بھی اندھیاری ہی رہے گی۔ ماجد کی آنکھوں کے گرد اودے اودے حلقے پڑ گئے۔ ایش ٹرے جلے ہوئے سگریٹوں سے ابلی پڑ رہی تھی، دونوں تھک کر اپنی اپنی جگہ سکڑ گئے۔

ماجد کی کنپٹیوں پر جھلسی ہوئی چاندی کے تار جھلملا رہے تھے، عابدہ کا دل چاہا۔ وہ سب کچھ بھول کر اس کی بغیر شیو کی نیلی کھردری ٹھوری پر اپنے پیاسے ہونٹ رکھ دے اور جنم جنم سے جو آنسو رکے ہوئے ہیں، بہہ جائیں۔

تب یہ بھیانک خواب ٹوٹ جائے گا اور وہ جاگ جائے گی۔

موری کی کیچڑ سے چپل بچاتی ناک پر ساڑھی کا پلو دبائے وہ بڑھی چلی جا رہی تھی۔ کسی دروازے کی چوکھٹ پر دمہ کی ستائی ہوئی کوئی بڑھیا بیٹھی سانس کی دھونکنی سے جوجھ رہی تھی۔ ہوٹل میں ریڈیو چنگھاڑ رہا تھا۔ ننگ دھڑنگ بچے موری کے کنارے اکڑوں بیٹھے تھے۔ ایک بلی کا بچہ ایک کاغذ کے پرزے پر بڑی سنجیدگی سے حملہ کر رہا تھا۔ اس کی آمد کی خبر پھیل رہی تھی۔ لوگ بالکنیوں سے جھک کر اسے دیکھ رہے تھے۔

مونا نے دروازہ کھولا، آنکھیں نیم وا کر کے اسے دیکھا اور دروازہ کھلا چھوڑ کر اندر چلی گئی، یہ اندر آنے کی گویا اجازت تھی۔ اونچی سی تکلیف دہ کرسی پر بیٹھ کر عابدہ سوچنے لگی۔ اس نے آنے کی حماقت کیوں کی۔ ماجد کی بات کا یقین کیوں نہ کیا۔

مونا قبول صورت، بھرے بھرے جسم کی لڑکی تھی اور اس وقت تو وہ کچھ زیادہ ہی بھر رہی تھی اور وہ کچھ چھچھور پن سے اینڈ کر چل بھی رہی تھی، کچھ ایسے گویا دکھانا چاہتی ہو کہ "وہ جس نعمت کے لئے تم دس برس ڈاکٹروں سے جوجھتی رہیں میرے سر زبردستی منڈھ دی گئی۔ تمہارا عذاب مجھے بھوگنا پڑ رہا ہے۔

"تم ــــ تم چاہتی ہو وہ شادی کرلیں۔" عابدہ کا تالو جُھنجھ رہا تھا۔ گدّی میں کوئی دھپ دھپ پیر رکھ رہا تھا۔ کنپٹیاں تن رہی تھیں۔ ساری رات کی جگار اور جذباتی بھونچال کے بعد اسے میدان میں نہیں آنا چاہیے تھا۔

شادی کا تمہیں کون سا تمغہ مل گیا۔ جو مجھے مل جائے گا۔" اس نے سگریٹ سلگائی اور منہ بھر کے دھواں کھینچا۔ پھر آہستہ آہستہ ناک اور منہ سے چھوڑنے لگی۔ مردوں کے سگریٹ کی خوشبو عابدہ کو بہت بھاتی تھی۔ مگر اس کی سگریٹ سے دم گھٹنے لگا۔

"تو پھر کیا چاہتی ہو۔"

"اس مصیبت کا علاج معلوم کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے سگریٹ زمین پر ڈال کر مسل ڈالا۔ منہ بھینچ کر بھاگی اور غسل خانے میں گھس گئی۔

اس کی الٹی کی آواز سن کر عابدہ سر سے پیر تک لرزنے لگی، اگر یہ آواز امی جان کے کانوں تک پہنچ جاتی تو؟ ایک بار اسے یونہی بدہضمی کی وجہ سے صبح صبح قے ہو گئی تو امی جان نکتیاں بانٹنے پر تل گئیں۔ مونا غسل خانے سے آنکھیں پونچھتی نکلی اور نڈھال سی آکر کرسی پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر خاموش رہی۔

"تم اگر اس مصیبت سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہو تو اطمینان رکھو انتظام ہو جائے گا۔ ماجد کا بچہ! سارے خاندان کا اکلوتا! وہ خود پال لے گی۔"

"اور جب تک میرے بدلے دھندا تم سنبھالو گی۔" اس نے کمینے پن سے مسکرا کر کہا عابدہ خون کا سا گھونٹ پی کر رہ گئی۔ یہ گھونٹ اب اس کی عادت ثانی بنتے جا رہے تھے۔

"ہاں۔ اس نے خوش مزاجی سے کہا۔ تمہیں روپے سے مطلب، وہ تمہیں ہر ماہ پہنچ جایا کرے گا۔

وہ تھوڑی دیر تک عابدہ کو بڑے رحم کی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

"تم بانجھ ہو؟ اس نے ہولے سے کہا۔" کتنی خوش نصیب ہو!"

"نصیب اپنے ہاتھ میں تو نہیں۔"

"تمہیں اپنے شوہر سے نفرت نہیں؟

"اور مجھ سے؟

"تم سے نفرت کر کے کیا مل جائے گا۔"

"نہ ملے کچھ بلا سے، لیکن اگر تم نے میرا میاں چھین لیا ہوتا تو میں تمہاری لاش ڈال دیتی۔

عابدہ کا جی چاہا کہہ دے یہ تمہارا وہم ہے مگر وہ ٹال گئی کون تنعدری کے منہ لگے۔

"مگر تم تو واقعی فرشتہ ہو!" وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "مجھے آج کل ذرا ذرا سی بات پر غصہ آتا ہے، محلے کے لوگ بڑے کمینے ہیں۔ میری لینڈ لیڈی پکی حرافہ ہے۔ ایک مہینہ کا بھی کرایہ چڑھا تو مجھے سڑک پر پھنکوادے گی۔ تمہارے چہیتے میاں کی مہربانی سے نوکری بھی گئی۔ وہ مجھے ٹائپنگ اور شارٹ ہینڈ سکھار ہے تھے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ایسے بھوندو ہیں کہ مجھے مصیبت میں پھنسادیں گے۔"

"تم اگر پسند کرو تو میں تمہارے رہنے کا انتظام کراسکتی ہوں۔ پونا میں میری ایک سہیلی ہے۔" عابدہ نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

"تمہاری سہیلی! مجھے رکھ لیں گی؟"

"ضرور رکھ لیں گی۔ انہیں بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے وہ آج کل ولایت گئی ہوئی ہیں۔ سال بھر سے پہلے کیا آئیں گی۔"

"میں وہاں اکیلی مرجاؤں گی۔"

"میں بھی ساتھ رہوں گی۔"

"تم؟"

"اپنا ایک نوکر رکھ لیں گے۔"

اس سے کہہ دوں گی میں تمہاری بہن ہوں۔"

"کچھ حرج ہے۔"

واقعی تم فرشتہ ہو۔ اس نے شرارت سے مسکرا کر ایسے کہا جیسے کہہ رہی ہو تو الو کی پٹھی ہو۔

عابدہ سامان باندھ رہی تھی اور ماجد آنکھیں موندے آرام کرسی پر پڑا تھا۔ وہ اسٹیشن پہنچانے بھی نہ جاسکا۔ کیونکہ وہاں مونا بھی تھی۔ مونا دن بہ دن زیادہ بدمزاج اور اکل کھری ہوتی جارہی تھی۔ اسے یوں گوشۂ تنہائی میں بچہ تعمیر کرنے میں قطعی لطف نہیں آرہا تھا۔ عابدہ بچے کے لئے منی منی فراکیں اور نیکر سیا کرتی مونا کبھی کبھی اس کے انہماک سے سلگ اٹھتی اور جلی کٹی سنانے لگتی۔

"مرجائے تو اچھا ہو۔"

اور عابدہ لرز اٹھتی جیسے اس کے بچے کو کوئی منہ جلی کوس رہی ہو۔

"تمھیں ایسے حرامی سے محبت ہے؟ تمہارا جی نہیں جلتا۔ چھوڑ کیوں نہیں دیتیں اس لچے کو۔" وہ ماجد کو زچگی سے پہلے کی تمام کلفتوں کا ذمہ دار ٹھہراتی۔ "ارے ابھی تو تم جوان ہو۔ قسم سے اچھے سے اچھا دولھا مل جائے گا۔ کیا تم نے کبھی کسی سے پیار نہیں کیا؟ کبھی کسی کے سنگ نہیں سوئیں۔ میرا مطلب ہے اس کمینے کے علاوہ! اور پھر وہ خوب ناخونوں سے اپنا نقارہ سا پیٹ کھسوٹنے لگتی۔

" زیتون کا تیل پڑا ہے تم لگاتی ہی نہیں۔ کھجلی کم ہو جائے گی۔ وہ بڑی رسانیت سے کہتی اور مونا سلگنے لگتی۔ اور وہ مغلظات پر اتر آتی۔

" اپنی اس میں دھر لو۔ " پھر وہ رونے لگتی اور ساری کائنات کو گالیوں سے بھر دیتی عابدہ خاموش سر جھکائے بابا کا سوئیٹر بنا کرتی۔

میں تو گلا گھونٹ دوں گی کتے کے پلے کا۔ مونا دھمکاتی۔ کبھی کہتی " میں اپنا تمہیں نہیں دوں گی۔ اپنا جیسا کچومر بنادوں گی۔ اور اگر موا باپ پر گیا تو بس زمانے بھر کی لونڈیاں گھیرتا پھرے گا۔ تم اس بدمعاش کو کیسے جھیلتی ہو۔ ہماری تو اور بات ہے پر تم تو سیدانی ہو، غیر کا جھوٹا نہیں کھاتیں۔ تمہیں گھن نہیں آتی۔ وہ سانپ بچھوؤں کے گچھے اگلے جاتی۔ عابدہ مفلوج سی بیٹھی رہتی۔ ایسا معلوم ہوتا دماغ میں خون جانا بند ہو گیا ہے سوائے ماجد کے چند بہت ہی قریب کے دوستوں کے کسی کو معلوم نہیں تھا۔ مونا لاہور میں بڑھی پلی تھی۔ لکھنؤ میں لال باغ میں آٹھویں جماعت تک پڑھنے کے بعد بمبئی کا شوق لایا۔ چھوٹی موٹی بہانے کے لئے نوکریاں برابر ملتی رہیں۔ کم بخت کچھ زیادہ ہی بیوقوف تھی۔ ورنہ ساٹھ روپیہ کے کمرے بجائے کہیں تاج میں رہ سکتی تھی۔ چہرے سے بالکل آبرو باختہ نہیں لگتی تھی۔ گھربار سے دلچسپی نہیں تھی۔ ویسے کپڑے لتے اچھے پہنتی تھی۔ اونچے ہوٹلوں میں جاتی تھی۔

اس وقت عابدہ کے ڈریسنگ گاؤن میں وہ بڑی روئی سی بیٹھی تھی۔ یہ گاؤن عابدہ کے ماموں جان پیرس سے لائے تھے۔ وہ اس کمینی کو جھیل رہی تھی، ایک دفعہ بچہ کو گود لینے کے کاغذ پر دستخط کر دے پھر دیکھا جائے گا۔ وہ بھی بھانپ گئی تھی ہر وقت دھمکاتی رہتی تھی۔

دردزہ کی آدھی سے زیادہ تکلیف عابدہ نے جھیلی۔ مردار مستقل گالیاں دیتی رہتی بھید کھولے دے رہی تھی۔ عابدہ نے سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے اتنی زور سے دھکا دیا کہ اگر نرس نہ تھام لیتی تو بری طرح سے گرتی۔

بچی کی پیدائش کا تار ماجد کو اس نے چھیڑنے کے لئے نہیں دیا تھا، حادثات نے کچھ ایسا جھنجھوڑ ڈالا تھا کہ اس کا دماغ شل ہو چکا تھا۔ بچی بالکل اپنی دودھیال پر گئی تھی ماجد کے خون کے رشتے خود اس کا خون بھی تو اس کی رگوں میں دوڑ رہا تھا، اتنی پرائی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ خاندانی نقشے کے ناطے کچھ تو اس کی بیٹی معلوم ہو گی۔ پھر ساتھ رہی تو کچھ انداز بھی اس کے آجائیں گے۔ اسے بچی پر بے طرح ماتا آنے لگی۔ لوگ کہتے ہیں اگر ماتا سچی ہو تو دودھ اتر آتا ہے۔

وہ گھر سے یخنی اور اصلی گھی کا سٹور لیکر آئی تو دھک سے رہ گئی مونا بچی کو دودھ پلا رہی تھی۔

" او۔۔۔ کاٹتی ہے! وہ روہانسی ہو کر ہنس پڑی۔ عابدہ کے دل میں جیسے کسی نے چھری ڈال

کر گھما دی۔ بس دو دن بعد ہسپتال سے چھٹی مل جائے گی۔ اس نے چاہا کہ بچی کو پنگورے میں لٹا دے۔

"رہنے دو نرس کو آجانے دو۔"

"کیا میں نہیں اٹھا سکتی بچی کو۔"

"ہاں تم نے تو سینکڑوں بچے جنے ہیں" بے بات مونا الجھنے لگی۔

"ان نرسوں نے کون سے بچے جنے ہیں۔ وہ بھی بچوں کو سنبھالتی ہیں۔"

اتنے میں نرس آ گئی اور بات گئی گزری ہو گئی۔

صبیحہ بھی کوئی نام ہے۔ کیتھرین کیتھی ---- میری مما کا نام تھا۔"

عابدہ کو کیتھی سے خاصی گھن آئی۔ شادی سے پہلے ہی وہ طے کر چکی تھی کہ بیٹی کبھی ہوئی تو صبیحہ نام رکھے گی۔ اور بیٹا ہوا تو خیر ---

مگر جب مونا نے صاف انکار کر دیا کہ وہ بچی کو کیسے چھوڑ سکتی ہے۔ اتنی سی جان اس کے بغیر کیسے جیئے گی تو عابدہ نے کہا اوپر کا دودھ لگا دیا جائے گا۔"

"مر جائے گی اوپر کے دودھ سے تو۔"

"مر کیوں جائے گی نرس دو وقت اوسٹر ملک دیتی ہے۔"

وہ تو ابھی دودھ کم ہے اس لئے دینا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر نے گولیاں بتانے کو کہا ہے۔

"مگر دودھ چھڑانا ہے تو گولیاں ---"

"کیوں چھڑانا ہے، ماں کا دودھ بچے کے لئے اچھا ہوتا ہے۔" وہ عابدہ سے آنکھیں چرا رہی تھی۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔

"تم ایسی نظروں سے مجھے کیوں دیکھ رہی ہو، ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔"

"مگر تم --- تم --- بچی کو پالو گی؟ مگر تم ---"

"کوئی بڑھیا رکھ لوں گی۔ آیا بھی سستی سی مل گئی تو کام چل جائے گا۔"

"تو تم نے فیصلہ کر لیا۔"

"کیسا فیصلہ؟"

"تم کہتی تھیں کہ تم اس عذاب سے جان چھڑانا چاہتی ہو۔"

"جب چاہتی تھی پر اب تو میری جان ہے --- میری گڑیا -- کیتھی ڈارلنگ۔"

وہ چٹا چٹ بچی کو چومنے لگی۔ پھر جھنا کر عابدہ کی طرف دیکھا اور سہم گئی، تم میری بیٹی کو چھیننا

چاہتی ہو۔ نہیں میں اسے نہیں دوں گی۔ ہرگز نہیں دوں گی۔ میں مر جاؤں گی میرا اس کے سوا کون ہے۔ تم بلا سے ہسپتال کا بل نہ دو۔ میں محنت مزدوری کر کے ایک ایک کوڑی خود چکا دوں گی۔ مجھے تمہارے کپڑے لتے بھی نہیں چاہئیں۔ کچھ نہیں چاہئے۔" وہ سسکیوں سے رونے لگی۔

"مونا۔۔۔ پھر ایک بار غور کر لو۔ تم اس وقت جذباتی ہو رہی ہو۔ اپنا نہیں تو اس بچی کا خیال کرو۔ تم اسے کس قسم کی زندگی دے سکو گی؟"

"تمہارے بلا سے تم دنیا بھر کی ٹھیکیدار ہو۔ میں جانتی ہوں تم یہ کیوں کہہ رہی ہو۔ تاکہ تمہارا ضمیر تمہیں ملامت نہ کرے۔ میری بچی لے جا کر تم اپنے میاں پر الگ احسان کرو گی کہ تم نے اسکے گناہ کو سر چڑھایا۔ وہ تمہارے پیر دھو دھو کے پئے گا الو کا پٹھا۔ تمہیں نہیں دوں گی چاہے کسی یتیم خانے میں پھینک آؤں۔ ہوں۔۔۔۔ اسی لئے چکنی چپڑی باتیں ہو رہی تھیں، کپڑے بن رہے تھے۔ میری بچی سے اپنی جلی کوکھ ٹھنڈی کرنا چاہتی ہو۔ ورنہ کون عورت ہو گی جو خصم کے حرامی پلے سمیٹتی پھرے۔

عابدہ کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے پھیپھڑوں کے خلیے سوکھ گئے ہیں۔ سر کی طرف خون کا دوران بند ہو چکا ہے اور کوئی دم میں وہ خشک لکڑی کی طرح بھر بھر جلنے لگے گی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سر پیچھے ڈال دیا۔

ایک دم مونا کو اپنے کمینے پن کا احساس ہوا۔ وہ تڑپ کر اٹھی اور عابدہ کے پیر پکڑ لئے۔

"سوری دیدی۔۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔۔۔ لے لو تم کمبخت کو، میں، بڑی کمینی ہوں۔ تم نے میری کیسی خدمت کی۔ مجھے معاف کر دو۔"

عابدہ کا دل تو چاہ رہا تھا نامراد کو چھوڑ کر اسی وقت وہاں سے غارت ہو جائے مگر سہہ جانے ہی میں مصلحت سمجھی۔ سمجھا بجھا کر اسے واپس لٹا دیا۔

"تم نے طے کر لیا ہے؟

"کیا؟" مونا نے مری ہوئی آواز میں پوچھا۔

"بچی کے بارے میں"

بڑی کٹھور ہو تم۔" وہ پھر سسکنے لگی۔

کیوں ہلکان ہو رہی ہو۔ اگر تمہیں بچی کو دینا ہی ہے تو جتنی جلدی ہو سکے علیحدہ کر دو تاکہ دودھ خشک ہونے میں آسانی رہے۔ اور اگر نہیں دینا ہے تو پھر رونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ جی کٹنے لگتا ہے، میں اسے دیکھ تو سکوں گی۔"

"کیوں نہیں۔ تم جب کہو گی جب۔"

"وہ مجھے کون سمجھے گی۔ماں تو وہ تمہیں سمجھے گی؟ مجھے کیا اپنا سمجھے گی؟"

"آنٹی۔ یا تم ۔۔۔" عابدہ کا پھر دم گھٹنے لگا۔

"میری بچی مجھے آنٹی کہے گی۔ وہ پھر چل نکلی ۔۔۔ اور تمہیں ممی کہے گی۔ اور انہیں، انہیں پاپا کہے گی نا؟

عابدہ نے طے کر رکھا تھا کہ بچی اسے اماں اور ماجد کو ابا کہے گی۔ اسے ماما، پاپا سے سخت نفرت تھی۔ مگر اس نے اس زہر کی پڑیا سے الجھنا مناسب نہ سمجھا۔

وہ دن ہسپتال میں سولی پر کٹے۔ مونا تو گھڑی میں تولہ، گھڑی میں ماشہ، کبھی کہتی واقعی بچی اس کی جان کو مصیبت ہو گی۔ کبھی ایک دم اس کی جدائی میں مرنے کی دھمکیاں دیتی۔ کبھی عابدہ کو صلواتیں سناتی اور ماجد کی سات پشت کو گالیاں دینے لگتی۔

عابدہ ہسپتال سے ہی فیصلہ کر کے جانا چاہتی تھی۔ اس کی سہیلی یورپ سے واپس آ رہی تھی وہ مونا کا قصہ اس گھر میں نہیں بکھیرنا چاہتی تھی۔ آخری دن وہ پختہ ارادہ کر کے گئی کہ آج بات ادھر یا ادھر تو اسپتال میں پہنچ کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

مونا بچی کو لے کر جا چکی تھی اس نے اپنی چوڑیاں اور لاکٹ گارنٹی کے طور پر دفتر میں چھوڑے اور بچی کو لے کر ٹیکسی میں چلدی صرف ایک جوڑا کپڑا اور کمبل بچی کا لیا باقی سب چھوڑ گئی۔ عابدہ نے بغیر عذر کے زیور لیکر بل ادا کر دیا اور لوٹ آئی۔

جس وقت وہ گھر میں اتری، ماجد نے دروازہ کھولا۔ اسے خالی ہاتھ دیکھ کر وہ کچھ نہیں سمجھا۔ کیونکہ وہ خوشی سے چہک رہی تھی۔ وہ سمجھا شاید کوئی آیا مل گئی۔ عابدہ تیزی سے بولے جا رہی تھی۔

" ہائے کتنی سوئٹ ہے اور دہانہ تو غضب کا نازک، آنکھیں مجھے تو سرمئی لگیں، مگر نرسوں نے کہا نوزائیدہ بچوں کی ایسی ہی لگتی ہیں۔ شائد شربتی ہو جائیں۔ کیونکہ بال بھی بھورے ہیں۔ ملائم جیسے ریشم ۔۔۔ پیٹ کے بال ریشم جیسے ہی ہوتے ہیں۔ عقیقے کے بعد ذرا گھنے نکلیں گے۔ ابھی تو ابا جان کی طرح گنجی ہی لگتی ہے مگر ڈاکٹر کہنے لگی ۔۔۔" وہ ایک دم چپ ہو گئی۔

ماجد پہلے تو اس کی بچگانہ باتوں پر مسکرایا مگر جب وہ بولتی ہی چلی گئی تو کچھ کھسیانہ ہو گیا۔ وہ ایسے بچی کی تفصیل سنا رہی تھی جیسے واقعی اس کی کسی بہن یا بھانجی کی بچی ہو۔ وہ بدستور مسکرا رہی تھی۔ بلکہ کبھی تو قہقہہ بھی مار دیتی۔ ماجد کو سوال کرنے کی ہمت ہی نہ پڑی۔ اس کا دم الجھ رہا تھا۔ بچی کے لئے جو جو سامان خرید کر اور بنا کر عابدہ لے گئی تھی وہ جوں کا توں واپس لے آئی تھی۔ پھر بچی کہاں گئی۔؟ اور پنک رنگ تو بہت ہی کھلتا ہے۔ ہلکا پنک سب ہی بچوں پر اچھا لگتا ہے مگر یہ لال پیلے

گنوارو رنگ کٹی پر بالکل نہیں کھلیں گے۔ وہ کپڑوں کا صندوق کھولے جلدی جلدی کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔

"کٹی؟ ماجد نے احمقوں کی طرح دیکھا" عابدہ کتنی تھک گئی ہے" وہ سوچ رہا تھا۔

"ہاں، کافی سوئٹ نام ہے کیتھرین ۔۔۔ مونا کی ماں کا نام بھی کیتھرین تھا۔

ماجد خاموش قالین کے نقش و نگار گھور رہا تھا۔ عابدہ کی سانس پھول رہی تھی ماجد کو وحشت ہونے لگی۔

"صبیحہ واقعی بڑا پرانا سا نام ہے۔" وہ بے طرح ہانپ رہی تھی جیسے بہت دور سے بھاگتی چلی آ رہی ہو۔ "نئے نام کتنے پیارے پیارے موجود ہیں۔" اس نے سسکی بھری۔

"کیتھرین کتنا پیارا نام ہے، ہے نا؟

"کیا ہوا؟" ماجد نے زیر لب پوچھا۔

"ارے تمہیں میرا تار نہیں ملا پیاری سی گڑیا پیدا ہوئی ہے۔ میرا خط بھی نہیں ملا" وہ سوٹ کیس کی تہہ میں کوئی بہت ہی اہم چیز ڈھونڈ رہی تھی۔

"ملا تھا۔" احساس جرم اتنا وزنی معلوم ہو رہا تھا کہ ماجد کی کمر دوہری ہوئی جا رہی تھی مگر ۔۔۔ تم نے اڈاپشن کے کاغذات نہیں بھیجے ۔۔۔ اس لئے ۔۔۔!

"میں نے ارادہ بدل دیا۔"

"اوہ!"

"اتنی سی بچی کو ماں سے الگ کرنا ظلم ہے۔ میں اتنی خود غرض نہیں کہ اس کی بچی کو چھین کر اپنی بلی کو کہ آباد کروں۔ اسے میری کسی چیز کی ضرورت نہیں اور یہ کپڑے تو بالکل سوٹ نہیں کرتے۔ اس پر تو گلابی رنگ کھلتا ہے۔" عابدہ کو نیند آ رہی تھی۔ ماجد سناٹے میں اسے تکتا رہا۔

وہ سوکھی ہوئی پتی کی طرح لرزی اور اوندھے منہ کھلے سوٹ کیس پر گر پڑی۔

عابدہ کی بیماری کی خبر سنتے ہی دنیا بھر کے رشتے دار ٹوٹ پڑے جو اس کی پیلی ہلدی جیسی رنگت اور سرد انگلیاں دیکھتا اظہار افسوس کرتا۔ ہائے اتنے دنوں بعد تو منتوں مرادوں کے بعد بور آیا۔۔۔ اور جھڑ گیا۔

ماجد گم سم رہ گیا جب عابدہ نے اس غلط فہمی کی تردید نہ کی۔ اگر لوگ سمجھتے ہیں کہ حمل ضائع ہوا ہے تو وہ کیوں اس خوش فہمی کو بھنگ کرے ویسے اسے تو یہی محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اپنا پیٹ کا جنا دفن کر آئی ہے۔

گھر میں مہمانوں کی وجہ سے میاں بیوی کو بات کرنے کا موقع نہ ملا ویسے ماجد کو کچھ تو اطمینان سا ہو گیا۔ عابدہ کی گود میں اس کی حماقت کا پھل کتنا عجیب معلوم ہوتا۔ ہر دم گلے میں پھندا سا جھولتا رہتا۔ مونا نے بچی دینے سے انکار کر کے اس کے اوپر بڑا احسان کیا تھا۔

مونا کا خط دفتر کے پتے پر دیکھ کر وہ عام شوہروں کی طرح بدک گیا۔ عابدہ سے خط چھپانے کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ ویسے مہمانوں کے سامنے تو وہ بڑی محبت کرنے والی بیوی نظر آتی تھی۔ تنہائی میں بات کرنے کے خیال سے ماجد کو پھریریاں آنے لگتیں۔ اور پھر وہ ایک بات کو بھولتی جا رہی تھی دوبارہ زخم چھیڑنے سے کیا حاصل مگر وہ دفتر سے آیا تو عابدہ سے نظر ملانے کی ہمت نہ پڑی۔ اس نے بڑے وقار اور لاپرواہی سے اس کی خیریت پوچھی اور گرمی کی شکایت کرنے لگا مگر اس کے پیروں میں سوئیاں چبھنے لگی جب وہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔

"کیا لکھا ہے؟ عابدہ نے بڑے پیار سے پوچھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے برف کا تودہ بن گیا۔ تجھے کیسے معلوم جادوگرنی؟ مگر وہ اسی طرح ساکت رہا۔

"نہیں، نہیں، بس خیریت تو ہے نا؟" وہ اسے چھیبیں ٹٹولتے ہوئے دیکھ کر بولی۔ مونا نے لکھا تھا اپنی بیوی سے ہاتھ جوڑ کر میری طرف سے معافی مانگ کر کہئے گا کہ وہ ماں نہیں لیکن ڈھیر ساری کتابیں تو پڑی ہیں اس لئے تھوڑا بہت تو اندازہ ہو گا کہ میں گنوار سی ماں تو ہوں۔ وہ یہ کیسے سوچتی ہیں کہ میں اسے اپنی طرح بیوقوف بناؤں گی۔ میں مقدس مریم کی قسم کھا کر کہتی ہوں میں اسے شریف زادیوں کی طرح نیک اور پارسا رکھوں گی۔ ذرا طاقت آجائے تو مجھے یقین ہے۔ یہاں کارخانہ میں مجھے ٹائپسٹ کا جوب مل جائے گا۔ مہربانی کر کے اس معاملے میں اپنی بیوی کو نہ ڈالئے گا وہ بڑی نیک بی بی ہیں۔ مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔

جوں جوں عابدہ خط پڑھتی گئی اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلتی گئی اور ماجد پر جوتے پڑتے گئے۔ اس کا خیال تھا بات گئی گزری ہوئی۔ اب ضمیر کا بوجھ اتر جائے گا۔ عابدہ پھر پہلے کی طرح دل چسپ اور باتونی ہو جائے۔ معافی مل جائے گی۔

"ڈرافٹ بھیجنے میں آسانی رہے گی یا منی آرڈر۔" اس نے خوش مزاجی سے پوچھا ماجد کا منہ اور اتر گیا۔ یہ عورت ہے یا چٹان۔ کاش عام عورتوں کی طرح اس کا منہ نوچ لیتی۔ گالیاں دیتی تو وہ یوں بجر بٹو کی طرح بیٹھا رہ جاتا۔

"نہ ڈرافٹ نہ منی آرڈر۔ وہ کام کر سکتی ہے۔" بجائے شکر گزار ہونے کے وہ چڑھ گیا۔

"دیوانوں جیسی باتیں تو نہ کرو۔"

"وہ تمہیں گالیاں دے رہی ہے اور تم اسے منی آرڈر بھیجنے کی فکر میں ہو۔"

"وہ اپنا فرض ادا کر رہی ہے اور میں اپنا۔"

"تمہارا نہیں ـ ـ ـ ـ ـ میرا باپ ہے۔ تم اپنے سر کیوں منڈھے لے رہی ہو۔" ماجد کا جی چاہا چلا کر کہے مگر وہ چپ رہا اور خط اس کے ہاتھ سے لے کر پھاڑنے لگا۔

"ارے ارے مجھے پتہ تو دیدو۔" اس نے خط چھین کر اپنے تکیے کے نیچے رکھدیا۔ "کیا کرو گی؟"

"اپنا سر پھوڑو گی۔"

عیادت کرنے والے دن بھر بمبئی کی سیر میں مست رہے۔ ایلفنسٹا کی پکنک کے پروگرام بنتے، فلم کی شوٹنگ دیکھتے اور فلمستاروں سے ملنے میں مگن رہتے، لمبے چوڑے دستر خوان لگتے، خوش گپیاں ہوتیں اور اس بلڑمیں کسی کو میاں بیوی کے ذہنی اور اعصابی بلبل کا کوئی احساس نہ ہوتا۔ اس ہنگامے میں دونوں اپنی اپنی صلیبیں اٹھائے، جھوٹی مسکرائٹیں بکھیرتے، بظاہر مثالی جوڑا بنے رہتے۔ مگر رات کو جب ڈبل بیڈ پر لیٹتے تو ایک سنگلاخ چٹیل دیوار بیچ میں بلند ہو جاتی۔

ایک دفعہ یونہی ماجد نے اس دیوار کو وہم سمجھ کر عابدہ کو اپنے قریب کھینچنا چاہا تو وہ اتنی زور سے ڈری کہ منہ سے گھٹی ہوئی چیخ نکل گئی۔ لیمپ جلایا تو لمحے بھر کے لئے اسے عابدہ کی نگاہوں میں ایسی نفرت نظر آئی کہ وہ جھجک کر ہٹ گیا۔

"اوہ، میں اونگھ گئی تھی۔" دوسرے لمحے مسکراہٹ لوٹ آئی اور وہ ڈھیلی پڑ گئی۔ اگر ماجد چاہتا تو اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیتا مگر اس کے ہاتھ بے دم ہو گئے تھے۔

اس کے علاوہ جب بھی وہ بڑے سوچ بچار کے بعد اسے اپنی بانہوں میں لینے کی کوشش کرتا وہ ذرا سی جھجک کر پگھل تو جاتی مگر بات گھما کر مونا اور کٹی کا ذکر کرنے لگتی اور تب ماجد کی رہی سہی صلاحیتیں بھی جواب دے جاتیں۔

"ابھی خفا ہو۔" اس نے پرانے لہجے کو واپس لانے کی کوشش کی۔

اف یہ چھچھی باتیں نہ کرو۔ گھن آتی ہے۔" وہ بھی پرانے الھڑ انداز میں چہکی۔ بھلا کیوں خفا ہوں گی۔"

"کترا جاتی ہو۔"

"اللہ، میں کیوں کترانے لگی؟ میں نے کون سی چوری کی ہے جو آپ سے کتراؤں گی"

"چوری تو میں نے کی ـ ـ ـ ـ ـ مگر سزا تمہیں جھیلنا پڑی۔"

"اتنے رومنٹک نہ بنو۔ اچھا چلو سو جاؤ۔ گھر میں مہمان بھرے ہیں اور تمہیں چونچلے سوجھ رہے ہیں۔

"تمہیں تو بس کوئی بہانہ چاہیے۔"

"بیکار کا وہم ہو گیا ہے اور کچھ نہیں۔" عابدہ چڑ گئی۔

سچ بتاؤ تم نے کتنے دن سے ہمیں پیار نہیں کیا؟

"لو۔۔۔" عابدہ نے کانٹوں بھری دیوار کے اس پار سے جھک کر اپنے اجنبی ہونٹ اس کے بے مزہ ہونٹوں پر رکھ دیئے۔ بس؟ دونوں بڑی دیر تک اس قدر نازک اور لطیف مسئلہ پر نہایت کھردری بحث کرتے رہے جس کا نہ سر تھا نہ پیر۔ یہاں تک کہ حلق سوکھنے لگے اور آنکھوں میں کھٹک ہونے لگی۔ جب دونوں تھک ہار کر سو گئے تب بھی نیند میں آہیں بھرتے رہے۔ کڑھتے رہے ایک دوسرے کو ڈھونڈتے رہے۔

مہمان آہستہ آہستہ رخصت ہونے لگے۔ آخری مہمان میں رفن باجی رہ گئیں۔ عابدہ کی گری گری طبیعت دیکھ کر انہوں نے اسے وطن لے جانے کی صلاح دی۔ عابدہ تیار ہو گئی۔

"کیوں جا رہی ہو۔" ماجد نے ضد کی۔

"باجی نہیں مانتیں۔ میں بھی سوچ رہی ہوں۔ امی کتنے دنوں سے اکیلی ہیں۔"

"میں بھی اکیلا ہوں۔"

"اگلے مہینے ٹور پر جا رہے ہو تب میں بھی اکیلی رہ جاؤں گی۔ فریدہ کی سالگرہ بھی آ رہی ہے۔ سوچتی ہوں وہ پیازی رنگ کی چینی اطلس جو تم میری قمیض کے لئے لائے تھے اس کا سوٹ بنادوں۔ میں نے تو جنی۔۔۔ کنی کی سالگرہ کے لئے رکھ لیا تھا۔ اب سوچتی ہوں۔۔۔"

وہ جیسے خود سے باتیں کر رہی تھی۔ ماجد کے جیسے ڈنک چبھو دیا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری۔

"پھر گھر لوٹ پوٹ ہو جائے گا۔"

"میں اب کے سارے اچھے اچھے سیٹ بند کر کے جاؤں گی۔ بس ضرورت کی چیزوں کی چابی تمہیں دے جاؤں گی۔

"کیا مجھے بھی بکس میں بند کر کے تالا لگا جاؤ گی۔؟"

"تمہیں تو اپنے دل میں بند کر کے ساتھ لیجاؤں گی۔" اس نے شرارت سے کہا۔ اور جیسے اس نے ماجد کا بڑھتا ہوا ہاتھ نہیں دیکھا بڑی سادگی سے اٹھ کر پلنگ کے نیچے سے سوٹ کیس گھسیٹنے لگی۔ ماجد احمقوں کی طرح تکیہ کے نیچے کچھ ڈھونڈنے کا بہانہ کرنے لگا۔ خلاف توقع اس کا ہاتھ ایک کاغذ کے پرزے پر پڑا۔ اس نے اٹھا کر دیکھا تو مونا کے منی آرڈر کی رسید تھی۔ اس کے جسم کا سارا خون چلنے

چلتے رک گیا۔

"ارے میں سارے میں ڈھونڈ رہی ہوں کہاں گئی رسید۔" اس نے اس کے ہاتھ سے رسید لے لی۔ دراز کھول کر ایک بڑی خوبصورت سی فائل نکالی اور اس میں رسید نتھی کر دی۔ اس رات اچانک ماجد کی آنکھ کھل گئی۔ عابدہ نیند میں ہچکیوں سے رو رہی تھی

"عابدہ۔ عابدہ کیا ہوا؟ عابدہ۔ ماجد نے اسے جھنجھوڑا اور وہ ایکدم جاگ اٹھی۔ "کیا ہے؟ وہ چونک کر اٹھ بیٹھی اس کی آواز میں نام کو بھی رقت نہ تھی۔

"تم سوتے میں چیخ پڑیں۔ کیا کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔"

"نہیں تو۔"

"پھر رو کیوں رہی تھیں؟

"میں کہاں رو رہی تھی۔ اس نے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ ارے! آنسو دیکھ کر ہنس پڑی۔" مگر قسمیہ میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ میں نے برسوں ہو گئے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ وہ اپنی صفائی پیش کرنے لگی۔

"وہ بھول گئی ہو گئی۔ بعض خواب ایسے بھی ہوتے ہیں۔"

"مگر میں جو کہتی ہوں، میں نے خواب نہیں دیکھا۔ خواہ مخواہ مجھ پر الزام لگا رہے ہو وہ برا مان گئی۔

اس میں ایسی گناہ کی کیا بات ہے۔ سب ہی خواب دیکھتے ہیں۔

"لیکن اگر میں خواب دیکھتی تو اس میں مکرنے کی کیا بات تھی، کیا خوابوں پر ٹیکس لگتا ہے میں جھوٹ بولوں گی۔" اس کی آواز اونچی ہونے لگی۔

"اُفوہ، مگر ـــــ"

"میں قرآن کی قسم کھا کے کہتی ہوں۔ اگر میں نے خواب دیکھا ہو تو میری آنکھیں پھوٹیں ـــ" وہ ہسٹریکل ہو گئی۔

عابدہ، خدا کے لئے۔ عابدہ ـــ میں نے تمھیں یونہی کہا۔" ماجد بوکھلا گیا۔

"مگر کیوں کہا؟ تم سمجھتے ہو میں بہانے باز اور کمینی ہوں۔" وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔

"عابدہ ـــ آہستہ بولو ـــ پلیز ـــ پلیز ـــ اس نے اسے باہوں میں لے کر بچوں کی طرح چمکارا۔" میری جان ـــ آئی ایم سوری۔ مجھ سے غلطی ہو گئی ـــ تمھارے اعصاب بہت ہی ـــ" اس کی باہوں میں وہ کمان کی طرح اکڑی رہی۔

"مگر۔۔۔" اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔
"شی۔ بس میں نے کہا نا۔" مجھ سے غلطی ہوئی۔ ماجد نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹنے کی کوشش کی مگر ایسا معلوم ہوتا تھا وہ بغل گیر ہونا بھی بھولتے جا رہے ہیں۔ وہ جو ہمیشہ دونوں کھٹ سے فٹ ہو جاتے تھے وہ بات پیدا نہ ہو سکی۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہنیاں ہی کہنیاں نکل آئی ہیں یا پزل (Puzzle) کے کچھ نہایت ہی اہم ٹکڑے کھو گئے ہیں۔ اس نے ہونٹ چومنے کی کوشش کی تو بھی کل سیدھی نہ بیٹھی۔ اس کی پنڈلی بے سدھ رکھی تھی۔ ران کی نس میں بل پڑ گیا اور عابدہ کی گردن آڑی ہو گئی۔ کھسیانے ہو کر دونوں الگ ہو کر اپنے اپنے رگ پٹھے ٹٹولنے لگی۔ عابدہ تھوڑی دیر مضمحل سی بیٹھی رہی۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتی رہی ماجد نے سگریٹ کا ایک دم اتنا دھواں کھینچا کہ اس کی چھاتی پھٹنے لگی۔ دونوں الگ الگ اپنی اپنی وادیوں میں چپ چاپ پڑے چھت کی تاریکی کو گھورتے رہے۔

"میں نے خواب دیکھنے چھوڑ دئے۔" اور وہ کروٹ لے کر سپاٹ دیوار کو گھورنے لگی۔
ماجد نے یہ سوچ کر جب گھر اکیلا ہو جائے گا اور سب مہمان چلے جائیں گے، تو عابدہ پاگل ہو جائے گی۔ اس کے جانے کی تیاری میں مزاحمت نہ کی۔ وہاں لمبے چوڑے خاندان کی دلچسپیوں میں وہ پھر نارمل ہو جائے گی۔ صحت بھی اچھی ہو جائے گی۔ گرمیوں میں امی جان نینی تال جا رہی ہیں۔ وہاں تفریحوں میں اس کا غم و غصہ ماند پڑ جائے گا۔
"دنیا کے سب ہی بچے اپنے بچے ہیں۔" اسے بے اولاد ہونے کا کوئی غم نہ تھا۔ خاندان میں اتنے کچر پچر بچے بھرے ہوئے تھے کہ بانجھ پر سب رشک کرتے تھے۔ جتنی پر لطف زندگی ان دونوں کی گزری اگر بچے ہوتے تو کبھی نہ گزر پاتی۔ جب ہی تو ماجد کو خاندان والے جورو کا غلام سمجھتے تھے۔ بھید کھولنے والے یہی دونوں تو تھے یا ان کے چند دوست، جو ان سے بھی زیادہ محتاط تھے۔ اتنی ذہنی الجھنوں اور دوریوں کے بعد بھی دونوں کا بھرم قائم تھا اور مثالی عاشق و معشوق مانے جاتے تھے۔
عابدہ کے خطوں سے ماجد کو اطمینان ہو گیا کہ وہاں بہت مگن ہے۔ آئے دن دعوتیں، منگنیاں، شادیاں، چھٹی، چھلے، سینما اور پکنکیں، ساتھ ساتھ وہ بڑی خوشدلی سے لکھتی۔
"امی جان کو معلوم بھی نہیں کہ ان کی مراد پوری ہو گئی۔ کسی نجومی نے کہہ دیا کہ تمہارے نصیب میں اولاد نہیں ہے۔ • بے انتہا روئیں۔ کتنا خون کھولا ہے میرا۔ جی چاہا جو تشی جی کا منہ کھسوٹ لوں۔ ٹھگ کہیں کا! مگر لوگو کیسا ظلم ہے کہ وہ اس خوش خبری سے محروم ہیں۔"
مگر پھر ہنسی مذاق اور چٹپٹی زندگی کا ذکر چھیڑ دیتی۔ "میری جان میں بتنوں کے صندوق

میں تالہ ڈالنا بھول گئی۔ حماقت ہے تالا ڈالنا۔ ٹوٹ جانے دو نامراد برتنوں کو۔ اور آجائیں گے۔ منی آرڈر بھجوانا نہ بھولنا۔

"عابدہ، عابدہ" میری جان کب آؤ گی۔۔۔۔ جسم کے ساتھ روح لیکر کب آؤ گی۔ یہ کال کوٹھڑی۔ اب نہیں جھیلی جاتی۔ رات تمھیں خواب میں دیکھا۔ تمہارے ہاتھ میں کھیر کا پیالہ تھا۔ جس پر شبانہ نے عابدہ ماجد پستے کی ہوائی سے لکھ دیا تھا اور تم جز بز ہو رہی تھیں۔ میں ہنس رہا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو یقین مانو میرا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ میں بہت اکیلا ہوں۔ اب تو آ جاؤ۔"

"تمہارا خط پڑھ کر بے انتہا ہنسی آئی۔ اتنی رومانٹک باتیں بور لگتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے مثنوی زہر عشق پڑھ کر خط لکھنے بیٹھتے ہو۔ مہینہ بھی پورا نہیں ہوا بلانے لگے۔ زیادہ اتراؤ مت۔ اور دیکھو جانے سے پہلے بھائی صدیق کو چیک دے جانا۔ خرچ نہ پہنچا تو مجھے بڑی فکر رہے گی۔ تنی پاؤں پاؤں چلنے لگی ہے۔ بجیا بضد ہیں کہ میں اسے اپنی بیٹی بنالوں پکا کاغذ لکھنے کی دھمکیاں دیتی ہیں۔ میں ہنستی ہوں۔ سب بچے میرے ہی ہیں۔ بچّی بھی کوئی لینے دینے کی چیز ہوتی ہے۔ مجھے اس بیوپار کے خیال سے ہی پھریریاں آتی ہیں۔ شبانہ اور منظور آنے والے ہیں۔ تقاضہ ہے کہ میں ہی انہیں سنبھالوں۔ میں تو اب زچگیاں سنبھالنے میں مشاق ہو گئی ہوں۔ سوئٹر بن رہی ہوں باقی کپڑے تو تیار کر لئے ہیں۔ کچھ بجیا کے ل جائیں گے۔ لکھتی ہیں لڑکی ہوئی تو صبیحہ نام رکھیں گی اور اسے چھوڑ کر ولایت چلی جائیں گی۔ معلوم ہوتا ہے اللہ میاں سے تو اس کے بندے زیادہ فیاض ہیں۔

ڈنک، ڈنک، ڈنک۔ ماجد زہر کے بوجھ سے تھک کر رہ گیا۔ ٹور کے لئے سامان بندھا رکھا تھا۔ مگر دل چاہ رہا تھا سیدھا عابدہ کے پاس جائے اور اس کے منہ پر ایک تھپڑ مار کر کہے۔ "تم میری بیوی ہو، میری زندگی کی امنگ ہو۔ تم پر میرا حق ہے۔ اب نہ ترساؤ میری باہوں میں آجاؤ۔۔ آجاؤ۔

اور وہ آ گئی۔!

جب اس نے دروازہ کھولا تو وہ آخری سیڑھی پر کھڑی مسکرا رہی تھی۔ دھیمی دھیمی شام کے پراسرار دھوئیں میں اس کی کپاسی رنگ کی فرانسیسی جارجٹ کی ساڑھی پر کامدانی کی پھوار کچھ یونہی سی جھلملا رہی تھی۔

وہ اس سے مس ہوتی ہوئی اندر گئی اور بڑی بے تکلفی سے بٹوہ کرسی پر ڈالا اور سینڈل اتار کر اپنی مخصوص کرسی پر بڑی تمکنت سے بیٹھ گئی۔ جیسے وہ روز وہاں بیٹھا کرتی تھی اور کبھی گئی ہی نہیں تھی۔ اس کا جسم ذرا ابھر گیا تھا رنگ نکھر آیا تھا اور ممتا نے چہرے پر گھلاوٹ اتار دی تھی۔

"کیوں آئی ہو؟"

"کیسا بھونڈا سوال ہے۔ دل چاہا چلے آئے۔" وہ لاپرواہی سے پیر ہلانے لگی۔

"دیکھو۔۔۔۔ تم۔۔۔۔"

"افوہ۔۔۔۔ آپ تو کنواریوں کی طرح بکلا رہے ہیں۔"

"۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" ماجد نے جھجکے سے کرسی پرے اس کا بٹوہ اٹھا کر تھمادیا۔

"تھینکس۔" اس نے سینڈل قالین پر پٹکا کر پالتی مار لی اور بٹوہ کھول آئینے میں اپنے ہونٹ نیم وا کر کے دیکھنے لگی۔

"دیکھو مونا، تم جگ ہنسائی چاہتی ہو تو وہ اور بات ہے۔" ماجد کا حلق خشک ہو رہا تھا۔

"میں نے کب کہا آپ نے مجھے دھوکا دیا؟" وہ ہنسی دبا رہی تھی۔

"ہماری دوستی۔۔۔۔۔۔"

"دوستی ہے؟" وہ پلکیں جھپکا کر مسکرائی۔

"وہ۔۔۔ وہ جو کچھ بھی تھا۔۔۔۔ تھا۔" اس نے جلدی سے اپنی غلطی درست کی۔ میں نے تم سے شادی کا کبھی وعدہ نہیں کیا۔

"ارے تو کیا اس وقت میں تم سے شادی کرنے آئی ہوں؟ واہ۔ اس نے ایک نہایت جھلملاتا قہقہہ لگایا۔

"تو پھر۔۔۔۔ تم جا سکتی ہو۔"

"جا تو سکتی ہوں، مگر کیوں جاؤں؟ وہ بگڑنے لگی۔ "کیا آپ سے کچھ چھین رہی ہوں، یا مانگ رہی ہوں۔ پوچھا تو ہوتا کہ کیوں آئی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"تو۔۔۔۔ اچھا بتاؤ کیوں آئی ہو۔"

"بتاتی ہوں، وہ جھلا کر بولی۔ مجھ سے گھڑک کر کیوں بات کر رہے ہیں؟ کیا میں آپ کی بیوی ہوں جو دبوں؟"

"میری۔۔۔۔ میری بیوی۔ اس کا ذکر مت کرو۔ مطلب بیان کرو۔"

"بوکھلائے تو دیتے ہیں۔ بیٹھنے میں کوئی حرج ہے۔" ماجد بیٹھ گیا۔ سرن کو جانتے ہیں؟"

"نہیں"

"وہ تو آپ کو بڑی اچھی طرح جانتے ہیں۔۔۔۔ نہیں نہیں، بائی گوڈ، میں نے کچھ نہیں بتایا انہیں پہلے ہی سے سب معلوم تھا۔" ماجد کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"اچھا پھر؟"

"پھر کیا؟ شولا پور میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"ونود سرن۔۔۔ شکنتلا کے ہسبنڈ۔"

"ہاں، وہی۔"

"تمہاری سہیلی کے۔۔۔۔"

"تو؟ کیا ہوا! شکن میری سہیلی ہے اسی لئے تو۔۔۔۔ وہ میرا بڑا خیال رکھتے ہیں۔"

"یہی کہنے آئی تھیں؟"

"ہاں" وہ سر جھکائے سینڈل کے تکمے لگا رہی تھی۔

"کہ وہ تمہاری سہیلی کے دوست ہیں۔۔۔ یا یہ کہ وہ تمہارا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ نہ جانے کیوں؟" ماجد کے لہجہ میں تلخی آگئی۔

"ہاں یہی بتانے آئی تھی۔" وہ پھر دھم سے بیٹھ گئی۔

"مگر مجھے بتانے کی کیا ضرورت ہے۔" ماجد کا دم گھٹ رہا تھا۔

"اس لئے کہ آپ بھی کبھی میرا بڑا خیال رکھتے تھے۔"

"اب بھی خیال تو رکھتا ہوں۔۔۔ تمہارا چیک بھیجنے والا تھا۔" اس نے دراز میں سے چیک نکال کر دیا۔

"اوہ تھینکس! وہ سمجھا تھا منہ پر مار دے گی مگر اس نے بڑی سادگی سے چیک بٹوے میں رکھ لیا۔ ماجد کو سخت ناامیدی ہوئی۔ میں کیا کہہ رہی تھی۔ ہاں کہ آپ میرا خیال رکھتے ہیں۔ آپ سے زیادہ تو وہ۔۔۔ آپ کی بیوی میرا خیال رکھتی ہیں۔"

"بھئی کمال کی عورت ہیں۔ اس کا لہجہ ایک دم کرخت ہو گیا۔ ایسے صبر کی عورت۔۔۔۔ کہ میرا تو دم گھٹنے لگتا ہے! غصہ، نفرت تو کوئی جھیل سکتا ہے۔۔۔۔ مگر۔۔۔ اف مجھے ان کی مسکراہٹ سے وحشت ہوتی ہے۔ برا بھلا کہہ لیں تو چلو چھٹی ہو۔ مگر وہ تو ایسے مسکراتی ہیں کہ انسان خود کو بے حد نیچا اور غلیظ محسوس کرنے لگتا ہے۔

"تم جا رہی تھیں۔۔۔۔ مجھے بھی صبح جلدی اٹھنا ہے۔" ماجد نے رکھائی سے کہا۔ "کیونکہ اسے مونا کی باتوں سے وحشت ہو رہی تھی۔ وہ خود اپنے ضمیر سے بھی کسی بات کا اقرار نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"تو آپ کی کیا رائے ہے، سرن چور آدمی ہے۔"

"میں نہیں جانتا" ماجد نے رکھائی سے کہا۔

"اونہہ ہو گا کمینہ، میرا کیا بگاڑے گا۔ کہتا ہے وہاں گندگی میں نہ رہو۔ پیڈر روڈ پر ایک فلیٹ ہے اس کا، ایک سانتا کروز میں ہے۔ مجھے سانتا کروز والا اچھا لگا، الگ تھلگ کیوں؟"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" ماجد نے نفرت سے منہ موڑ لیا؟

"افوہ کس قدر بن رہے ہو۔ میں جانتی ہوں تم جان بوجھ کر رائے نہیں دینا چاہتے۔ میں جو کچھ کر رہی ہوں۔ کُنی کی خاطر ہی کر رہی ہوں۔"

"اس کا خرچ تم کو برابر مل رہا ہے۔"

"اور میرا کوئی خرچ نہیں۔ میں ہوا پر رہوں۔ تمہارے تین سو میں ماں بیٹیاں اور ایک نوکر بھلا بمبئی میں رہ سکتے ہیں۔ چلو تم پانچ سو بھی دو تب بھی۔"

"ہاں ۔۔۔ مگر شکنتلا ۔۔۔ تمہاری دوست۔

دوست تو ہے اور بیچاری نے میرا بڑے آڑے وقت میں ساتھ دیا ہے۔ بھئی یہ دیکھئے کہ اگر میں سرن کا آفر نہ قبول کروں تو وہ کوئی اور رکھ لے گا۔" وہ شرارت سے ہنسی۔ "پھر میں خواہ مخواہ قربانی بھی کروں اور کچھ فرق نہ پڑے۔ کیوں؟"

"میں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔"

"اف پہلے تو آپ ایسے بور نہیں ہوا کرتے تھے۔ سچ بتائیے کیا میری یاد ذرا بھی نہیں آتی؟"

"میرا تمہارا وقتی اور جسمانی رشتہ تھا۔"

"کیا عورت مرد میں کوئی اور بھی رشتہ ہوتا ہے۔"

"ہاں، ایک دماغی لگاؤ ہوتا ہے ایک ۔۔۔۔ ایک طرح کا ذہنی ملاپ ہوتا ہے۔"

"اور مجھ بے چاری کے پاس ذہن ہے ہی نہیں۔ بس یہ مٹی کا جسم ہے۔" وہ عجب نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ "اور جسم کا حافظہ بھی نہیں ہوتا۔ آپ کا جسم بھی یاد نہیں کرتا وہ اس کی طرف بڑھتی چلی آرہی تھی۔

ماجد بہکاوا دینے کے لئے درازوں میں ماچس ڈھونڈنے ذرا اس سے دور چلا گیا۔

"میرا جسم تو نہیں بھولتا ۔۔۔ جب کُنی کو دیکھتی ہوں یاد آجاتا ہے۔" وہ باتیں کرتے کرتے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ ماجد ہاتھوں کی لرزش چھپانے کے لئے سگریٹ سلگانے لگا۔ "پتہ نہیں کیوں تم اوروں جیسے نہیں۔ تمہارے ساتھ ایسا لگتا تھا جیسے میں گناہ نہیں کر رہی ہوں۔ جیسے ہمارا رشتہ مقدس ہے۔ تم نے مجھے عجیب چیز دی جو کہیں نہیں ملتی۔ مقدس ماں میرے گناہ معاف کرے۔

میں گھنٹوں اس کے سامنے ٹیک کر گڑگڑایا کرتی ہوں ۔۔۔ ماں مجھے سکون دو۔ گناہ کو عبادت کا رتبہ نہ حاصل کرنے دو۔ " ماجد " وہ ایک دم سے پشت پر منہ رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔ اس نے دونوں ہاتھ اس کی کمر میں ڈال کے مضبوطی سے جکڑ لیے۔

ماجد کی پیشانی پر پسینہ پھوٹ آیا۔ اس نے جلتا ہوا سگریٹ مٹھی میں بھینچ لیا اور آنکھیں موند لیں ایک ہی جھٹکے میں اس نے مونا کے جکڑے ہوئے ہاتھ اپنی کمر سے کھول دیئے اور اسے دروازے کی طرف دھکیل دیا۔

اس کی آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو بہہ رہے تھے۔ جوڑا کھل کر ایک طرف جھول گیا۔

" آئی ایم سوری " اس نے ہتھیلی سے ناک اور آنسو پونچھ کر بڑے غرور سے کہا۔ رومال نکال کر چہرہ صاف کرنے لگی۔ " کبھی کبھی کسی کی مسکراہٹ میں تم یاد آنے لگتے ہو تو جی چاہتا ہے کہ اس کا گلا گھونٹ دوں۔ " ماجد کی حالت دیکھ کر وہ پگھل گئی۔

" مجھے معاف کر دو مونا ۔۔۔ میں بہت ادھورا انسان ہوں ۔۔۔ میں ۔۔۔ عابدہ ۔۔۔"

میں جانتی ہوں ۔۔۔ اس نے فلسفیوں کی طرح سرگوشی میں کہا۔ " میں رنڈی ہوں اور اگر تمہاری جگہ اس وقت کوئی دوسرا ہوتا تو میں اسے کچا چبا جاتی۔ مگر ۔۔۔ تمہارے معاملے میں میں بھی ادھوری رنڈی ہوں۔ " وہ کھسیانی ہنسی میں رقت کو چھپا رہی تھی۔

دروازے کا پٹ ہل رہا تھا ۔۔۔ باہر ہلکی پھوار میں سسکیوں کی کسک تھی۔ ماجد کی جھلسی ہوئی ہتھیلی میں سوئیاں رینگ رہی تھیں۔

" عابدہ، عابدہ ۔۔۔ " کیا یہی آداب دوستی ہیں۔ میں یہاں ہوں اور تم وہاں بجیا کے بچوں کے ساتھ کیرم کھیل رہی ہو۔

کھانے پر بھوک نہ ہونے کا عذر کر کے وہ سونے چلا گیا۔ کروٹیں بدلتے آدھی رات بیت گئی۔ اس نے اٹھ کر پانی پیا، ٹہلا، پڑھنے کی کوشش کی مگر دماغ کی کھولن اور جسم کی پکار نہ مٹی۔ اس کی پتلیوں کے سامنے کپاسی بادلوں میں ستارے جھلملائے جا رہے تھے اس نے کئی بار کمرے ان ہاتھوں کو کھولنا چاہا۔ مگر اس کا جسم اجگر کے آہنی شکنجے میں کستا رہا۔ اس نے قمیض بدل لی تھی، مگر جہاں اس کے آنسو بہے تھے آبلے سے کھدک رہے تھے۔ ہوا رک رک کر جھپٹ رہی تھی۔ کھڑکی کی چوکھٹ پر چنبیلی کی ٹہنی سر دھن رہی تھی۔

ایسی تیسی نور کی وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے سرہانے کا لیمپ جلایا۔ ایک دم مڑ کر

دیکھا۔ جہاں عابدہ گال کے نیچے، ہتھیلی رکھے سویا کرتی تھی۔ ایسا معلوم ہوا ابھی اٹھ کر بھاگ گئی۔۔۔۔
اسے خود پر پاگل ہونے کا شبہہ ہونے لگا۔ وہ کہیں نہیں جا سکتی۔ اس سے بھاگ کر نہیں جا سکے گی۔ وہ اس کی بیوی ہے اس کے دل کا سکون مٹا کر خود چین سے سو رہی ہو گی۔ اور شاید کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر سسکیوں سے رو رہی ہو گی۔ اور جاگ پڑنے پر صاف مکر جائے گی۔

میں نے خواب دیکھنے چھوڑ دیئے ہیں۔

کوئی خواب دیکھنا بھی چھوڑ سکتا ہے؟ خواب تو زندگی کا سہارا ہیں۔ کوئی جینا چھوڑ سکتا ہے؟ دراصل اس کے خواب چکنا چور ہو چکے ہیں۔ وہ ان خوابوں کو واپس جوڑ دے گا۔ وہ اس کی آنکھوں کو چوم کر پھر سے ان میں تارے بھر دے گا۔ پھر زندگی لوٹ آئے گی۔ یہ سونا پن دور ہو جائے گا۔ پھر چاندی کے ورق پر دو نام ابھر کر چمک اٹھیں گے۔

اس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے۔ کنجی اس نے ڈرائیور کے پاس رہنے دی تھی کیونکہ وہی اسے ائیرپورٹ لے جائے گا۔ خیر کوئی مضائقہ نہیں کوئی ٹیکسی مل جائے گی۔

برساتی لینا بھول گیا، مگر بارش دھیمی ہو چکی تھی۔ میلی میلی سڑک کی روشنی میں سڑک پر معلوم ہوتا تھا تیل چپڑا ہوا ہے۔ اس کا ہمراہی صرف ایک اکیلا بھیگا ہوا کتا تھا۔

اوپرا ہاؤس تک وہ شرابور ہو گیا تھا۔ ٹیکسی والے نے شکی نظروں سے اسے دیکھا مگر تب تک وہ اندر لڑکھڑا کر بیٹھ گیا۔

"ڈنکن روڈ! نہ جانے حلق میں سے کون بول رہا تھا۔

اس نے تھک کر خود کو اس انجانی طاقت کے سپرد کر دیا جو اسے ہر چہار طرف اژدھے کی طرح سمیٹ کر مسل رہی تھی۔ وہ قطعی انٹلکچویل نہیں، نہایت بودا ایک تیسرے درجے کا ادھورا سا انسان ہے۔ وہ اب اس دھوکے کی ٹٹی کو آگ لگا دے گا۔ اس کا اور عابدہ کا کوئی جوڑ نہیں۔ کل پہلی ڈاک سے وہ طلاق نامہ بھیج دے گا۔ وہ ان بلندیوں کا حقدار نہیں۔

کیچڑ اور غلاظت سے بے پرواہ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہو گلی میں مڑ گیا۔ رومال نکال کر چہرہ صاف کیا تو ایک کاغذ کا پرزہ زخمی چڑیا کی طرح پھڑپھڑاتا ہو کیچڑ پر ٹک گیا۔ اس نے جھک کر دیکھا۔ اس کا ملاقاتی کارڈ تھا۔ اس کا نام پتہ، عہدہ، ٹیلیفون نمبر! ایک لمحے کے لئے وہ بھنا اٹھا۔ یہ کون نامعقول ہے؟

مگر آہستہ آہستہ اس کے کیچڑ میں دھنستے ہوئے پیروں کی طرح یہ بات اس کے دماغ میں دھنسنے لگی کہ یہ احمق وہ خود ہی ہے۔ اتنا شریف اور پاک انسان کیچڑ میں کیا کر رہا ہے؟ اس نے کبھی کارڈ

کو دیکھا اور کبھی مونا کے بند دروازے کو۔

یہ وہ کہاں چلا آیا؟ وہ کہاں جا رہا تھا؟ کہاں پہنچ گیا۔ بدحواس ہو کر وہ پلٹ پڑا۔ رات اور گاڑھی ہو گئی تھی۔ محلے کی ساری مفلسی اور برہنگی اس کے سر پر ٹوٹ پڑی۔ بارش نے پھر آلیا اور وہ تیزی سے میلی کچیلی گھنی گلیوں کو پیچھے چھوڑتا ہو بھاگتا رہا۔

ایک بار مہذب دنیا میں واپس آ کر اس نے سڑک کی روشنی میں گھڑی دیکھی پونے تین بجے تھے۔ چھ بجے اسے پلین پکڑنا تھا۔۔۔ دور دور کسی ٹیکسی کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ چلتا رہا۔ غلاظت سے دور، حماقت اور ناعاقبت سے دور مکمل انسانوں کی دنیا کی طرف۔ وہ کسی قیمت پر بھی اپنی دنیا، اپنی جگہ چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔

فلورا فونٹین پر اسے ٹیکسی مل گئی اور جب وہ گھر پہنچا تو دماغی اور جسمانی طور پر اتنا تھک گیا تھا کہ کپڑے بدلنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ وہ ذرا سستانے کے لئے دیوان پر لیٹ گیا۔ پلین کے جانے میں ابھی ڈھائی گھنٹے تھے۔

جب ساڑھے چار بجے الارم بجا تو اس کے ہاتھوں میں اتنی سکت نہ تھی کہ بٹن دبا کر اسے بند کر دے۔ اس کا سر کئی من کا ہو رہا تھا اور ٹانگیں اینٹھن سے کھنچ رہی تھیں۔ بڑی مشکل سے وہ اٹھ کر بیٹھا مگر چکرا کر گر پڑا۔ اسے خود پر اتنا رحم آیا کہ بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

گرمی، اس نے چاہا شعلوں کی پرت اپنے وجود پر سے دور سرکا دے مگر سفید پروں جیسی ہلکی پھلکی برف میں وہ نتھنوں تک دھنستا چلا گیا۔ اس کی گدی میں ایک بوجھل گھنٹا جھول رہا تھا جو سانس کے ساتھ کنپٹی سے ٹکرا رہا تھا۔ کبھی الٹی طرف کبھی سیدھی طرف۔ اس کی کمر میں لوچدار مرمریں اژدھے لپٹے ہوئے تھے۔۔۔ کپاسی کیچڑ اس کی آنکھوں میں لتھڑ گئی۔۔۔ ستاروں کی پھوار آنکھوں میں ہیرے کی راکھ کی طرح کھٹک رہی تھی۔

پیاز کے خشک چھلکوں کے رنگ میں لپٹی ہوئی عابدہ اس پر پر پھیلائے آنسو بہا رہی تھی۔ اس کے آر پار دودھ کی بوتلوں کی قطاریں بڑی ترتیب سے سرک رہی تھیں اور اس کی رگوں میں پگھلی ہوئی برفیلی سوئیاں دوڑ رہی تھیں۔۔۔ عابدہ۔۔۔ عابدہ اس نے پکارنا چاہا مگر اس کا منہ آہنی پیچوں سے کسا ہوا تھا۔ جوڑ زنگیا چکے تھے۔

آنکھ کھول کر وہ اپنے اوپر جھکی ہوئی عابدہ کو دیکھ کر خواب سمجھتا رہا۔۔۔ عابدہ، جس نے

خواب دیکھنے چھوڑ کر خود ایک مسلسل خواب کا روپ دھار لیا تھا۔ اس میں ان خوابوں سے جو جھنے کی سکت نہیں رہی تھی۔

مگر اس نے جب گلابی کاغذ جیسا سرسراتا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھا تو وہ پوری طرح جاگ گیا۔

"تم۔۔۔ تم۔۔۔ کیسے؟" وہ اٹھنے لگا۔

"اٹھو نہیں۔۔۔" وہ سسکیاں بھر رہی تھی۔

"تم۔۔۔۔ رو کیوں رہی ہو؟" اس نے انگلی سے اس کے بھیگے گال پر لکیر کھینچ دی اور تھک کر آنکھیں موند لیں۔

دوبارہ جب اس کی آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی، عابدہ کا گلابی غرارہ اور دوپٹہ مسلا ہوا تھا۔ ماتھے پر ایک تھکی ہوئی لٹ بے دم پڑی تھی مگر اس کی آنکھوں میں پانی چھلک رہا تھا۔

گیارہ دن بعد اس کا بخار اتر گیا۔ اتنے دن وہ کس دنیا میں رہا کیا کرتا رہا اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ اس پر اپنی زندگی کے گیارہ دن گم ہو جانے سے بڑی ہیبت چھائی۔

"کیا ہوا تھا؟

"گٹھیا بخار"

"تم کب آئیں؟

شنکر کا تار پہنچا۔ میں آئی تو۔۔۔۔ وہ ہنس بھی رہی تھی اور آنسو بھی بہہ رہے تھے۔ ہائے مجو۔۔۔ تم نے مجھے ڈرا دیا۔" عابدہ نے اس کا ہاتھ اٹھا کر اپنے گال پر رکھ لیا۔

"پھر اکیلا چھوڑ کر جاؤ گی؟" ماجد نے اس کا نچلا ہونٹ چھو کر کہا۔

"کب گئی تھی تمہیں چھوڑ کر، دل تو ہر دم یہیں تھا تمہارے پاس۔"

"خطوں میں تو۔۔۔ نہیں معلوم ہوتا تھا۔"

"ارے خط تو تمہیں جلانے کے لکھ دیئے تھے۔" عابدہ کی آنکھیں مٹھاس سے چھلک آئیں۔

"اب کے جلایا تو بخدا بھسم ہو جائیں گے ہم بھی۔"

"توبہ۔ توبہ میری۔ اللہ۔" عابدہ نے کان کی لو امینٹھ کر گال پر تھپڑ لگائے۔ "جان اب ایسی غلطی نہ ہوگی۔"

دوبارہ نئی نئی شادی کا سا لطف آگیا۔ صبح سے لے کر شام تک دوستوں کا تانتا لگا رہتا۔ پھول پھل، مٹھائیاں اور کتابیں اس قدر آئیں کہ برتنے والوں کی کمی پڑ گئی خط، تار اور کارڈ اتنے آئے کہ عابدہ

نے تھامیوں میں بھر کے سرہانے شیلف پر سجا دیئے۔

بیماری کے زمانے میں ماجد کو گیسٹ روم میں پہنچا دیا گیا تھا۔ ڈبل بیڈ پر مریض کی دیکھ بھال میں مشکل ہوتی ہے۔ جب وہ سہارے سے چلنے کے قابل ہوا تو وہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ اس عرصے میں اس نے کمرے کی شکل ہی بدل دی تھی۔ بارش کے زمانے میں دھوپ کم ہوتی ہے اس لئے اس نے بھاری پردے اتار کر ہلکے پیازی نیٹ کے پردے لگائے تھے۔ کمرے میں ہر چیز آنکھوں کے لئے سکون بخش سفید یا ہلکے گہرے گلابی رنگ کی تھی۔ سفید کنڈل وک کے پلنگ پوش کو دیکھ کر برف سے ڈھکے میدان یاد آجاتے تھے۔

ماجد کا جوڑ جوڑ ہلکے درد سے ٹوٹتا رہتا۔ ایک مستقل تھکان اور بیزاری چھائی رہتی۔ عابدہ اسے بالکل گود کے بچے کی طرح بہلاتی رہتی۔ اس کی محبت پیازی گلابی شامیانے کی طرح پرسکون سایہ کئے رہتی۔ اس ٹھنڈی چھاؤں میں ماجد کی آنکھیں بند کئے اپنی خوش بختی پر تعجب کرتا۔ موت کے منہ میں جا کر اس نے عابدہ کو دوبارہ پالیا تھا۔ وہ ڈراؤنا خواب ختم ہوا۔ اب زندگی پھر ہموار سڑک پر چلنے لگی۔

آہستہ آہستہ مزاج پرسی کرنے والوں کا سلسلہ کم ہوا اور پھر ختم ہو گیا۔ ماجد نے دو مہینے کی اور چھٹی لے لی تھی۔ ڈاکٹر نے احتیاط کرنے کی ہدایت دے رکھی تھی۔ گٹھیا بخار میں دل پر بہت اثر پڑتا ہے۔ پرہیز بہت ضروری ہے، عابدہ اپنے ہاتھ سے پرہیزی کھانا تیار کرتی اور چمچہ سے منہ میں ڈالنے پر اصرار کرتی۔ ویسے جو بے انتہا دار فتگی کا اظہار عموماً مہمانوں کے سامنے ہوا کرتا تھا اسے غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ مگر پرہیز کے معاملے میں نہایت سخت گیر واقع ہوئی تھی۔ اگر یونہی کبھی ماجد نے اسے قریب کھینچا تو وہ ایک دم اسے ٹوک دیتی۔ معمولی اختلاط سے بچنے کے لئے وہ بڑے لمبے چوڑے اہتمام میں لگ جاتی۔ کئی دفعہ کہنے کے بعد وہ لباس شب خوابی بدلتی۔ وہ بجائے خوشنما نائٹ ڈریس کے پوری آستین کے کرتے اور ڈھیلے پاجامے پہننے لگی تھی۔

ماجد نے سخت احتجاج کیا۔

"یہ تام جھام ہمیں بالکل پسند نہیں وحشت ہوتی ہے۔"

"نائٹ سوٹ بڑے چھچھورے لگتے ہیں۔ میں نے سب شبانہ کو دے دیئے۔"

"تو نئے بناؤ۔"

"کیوں؟

"ہم جو کہتے ہیں۔"

"کیوں کہتے ہو؟ وہ شرارت سے ہنسی۔ ہم تو نہیں کہتے۔ تم ہمیشہ سے کرتا پاجامہ ہی پہنتے ہو اور

ہمیں کافی سیکسی لگتے ہو۔"

"پہلے جو پھبتی تھیں۔"

"پہلے کی بات اور ہے۔ پہلے تو کبھی ہم گھٹنیوں بھی چلتے تھے۔ چسنی بھی چوستے تھے۔ ماجد کھسیانہ ہو گیا۔

"اور سچی بات ہے بڑھاپے میں یہ چونچلے نہیں بھاتے۔"

"تو تم بوڑھی ہو گئیں؟"

"نسبتاً تو بوڑھی ہی ہوں۔ کوئی دس برس کا تو فرق ہو گا۔۔۔"

ماجد کا دل بیٹھنے لگا۔ نہیں۔۔۔۔ عابدہ نے اسے معاف نہیں کیا اور کبھی معاف نہیں کرے گی۔

بتاؤ کیا کپڑوں کا جھگڑا کھڑا کر دیا۔ ارے میں موسمبی کا عرق دینا بھی بھول گئی۔" وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

واقعی کپڑوں سے کیا ہوتا ہے۔ اگر برف کی سل کو کمخواب میں لپیٹ دیا جائے تو وہ دلہن بن جائے گی۔ اور برف کی سل اسکی چھاتی پر اور بوجھل اور بوجھل ہوتی گئی۔

جسمانی طور پر نارمل ہو چکا تھا۔ دفتر بھی جانا شروع کر دیا تھا۔ مگر عابدہ بڑی شدت سے اس کی نرسنگ پر مصر تھی۔ جہاں تک ممکن ہوتا وہ اسے بہلا پھسلا کر اس کا دھیان بٹاتی رہتی۔

"عابدہ!" اس نے عاجز آ کر کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"جی۔" وہ بڑے پیار سے بولی۔

"کیا میں سخت بیمار ہوں؟"

"خدا نہ کرے۔ کیوں؟"

"یہی میں پوچھتا ہوں، تو پھر کیوں؟"

عابدہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ بیڈ کور پر غیر مرئی سے نشان کھینچتی رہی۔

"جواب دو میری بات کا۔"

"جواب نہ ہو تو کہاں سے دوں۔" اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا ہماری شادی کوئی معنی نہیں رکھتی۔"

عابدہ کا سر جھک گیا۔

"عابدہ للہ جواب دو۔"

عابدہ نے ہولے ہولے نظریں اٹھائیں اور کھڑکی کے باہر کچھ تلاش کرنے لگی۔ اس کا چہرہ بے

انتہا زرد اور سہا ہوا تھا۔ "پتہ نہیں۔" اس کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔
"عابدہ، میری جان" اس نے بیقرار ہو کر اسے اپنے سینے سے لگانا چاہا مگر اسے ایسا معلوم ہوا اس کی باہوں میں اس کی عاشق زار بیوی کے بجائے کانٹے دار فولادی تار ہیں۔ جن میں کوئی لچک ہے نہ جھکاؤ۔
"اف، رگ چڑھ گئی، وہ خجالت مٹانے کو گدی سہلانے لگی۔
"کیا میرے ہاتھوں میں کانٹے ہیں۔"
"نہیں ---- "مگر ---- وہ ---- وہ بات کو ٹالنے لگی۔
"کیا ---- ؟ مگر ---- ؟ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھا دیا۔
"اوہ!" وہ کراہی۔
سوری ---- مگر کیا کہہ رہی تھیں تم؟"
"تمہارے ہاتھ ---- "وہ پھر جھجک گئی۔
"کیا ہے میرے ہاتھوں میں؟ وہ تھک چکا تھا۔ "کانٹے ہیں میرے ہاتھوں میں؟ کیوں پوچھتے ہو نہ الٹی سیدھی باتیں؟ تمہارے ہاتھوں میں کچھ بھی نہیں ---- شاید میرے لئے کچھ نہیں۔"
"کیا مطلب؟"
"تم۔ تم مجھے ہاتھ لگاتے ہو تو ---- تو ایسا لگتا ہے اپنے دل پر جبر کر رہے ہو ---- زبردستی ---- "یہ کیا بک رہی ہو۔"
"ماجد ---- کوئی فائدہ نہیں ---- مجو ---- یہ ناٹک اب ختم ہو جانا چاہیئے۔" اس کے چہرے پر عجیب بے رحمی طاری ہو گئی ---- یہ رشتہ زبردستی کا نہیں دل کا ہوتا ہے۔
"یعنی میں دل پر جبر کر کے ---- تمہارے ---- تمہیں ---- تم ایسی باتیں کر رہی ہو؟
"ہاں ---- اور اس کی وجہ بالکل صاف ---- ظاہر ہے۔ تم نے اور میں نے دونوں نے غلطی کی ہے۔"
"غلطی؟
"دیکھو ---- مجو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ایک تار کاٹ کر دوسری طرف جوڑ دیا جائے تو کرنٹ کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے ---- پھر اگر ---- دوسری طرف سے پھر تار کاٹ دیا جائے تو فیوز اڑ جاتا ہے۔ تب بہت زور کا شوک لگتا ہے۔"
"ٹوٹے ہوئے تار جوڑے بھی جاسکتے ہیں۔"

"وہ سلیوشن ہمارے ملاپ سے نہ بن سکا۔"

"کیا مطلب؟"

"جب میاں بیوی کے درمیان کے تار ٹوٹنے لگتے ہیں تو بچے سلیوشن بن کر انہیں جوڑے رکھتے ہیں۔"

"اف، تم مجھے دیوانہ کردو گی۔ عابدہ میری جان میں تمہارا ہوں۔ میرا دل تمہارا ہے۔"

"مگر جسم میرا نہیں۔"

"عابدہ۔۔۔ پلیز۔"

"اور بٹوارے پر کوئی شادی نہیں پھل پھول سکتی۔ یہ تمہارے دو ٹکڑے الگ الگ کسی کے کام کے نہیں۔ وہ جسم جس میں دل نہ وہ۔ اور وہ دل۔۔۔"

"عابدہ۔"

"میں نے بہت سوچا ہے۔۔۔ اتنا سوچا ہے کہ شل ہو گئی ہوں۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ تم اپنے وجود کو تقسیم کر کے زندہ نہیں رہ سکتے۔ اس لئے تمہیں صحیح وسالم بننا پڑے گا۔

"تم مجھے الجھاتی جارہی ہو۔ اچھا میں تمہاری، تھیوری مان بھی لوں۔ پھر بھی میرا دل و دماغ تو تمہارا ہی ہے اور برسوں میرے جسم نے تمہاری پرستش کی ہے۔ اگر ایک ذرا سی لغزش سے ایک لمحے کو دور ہٹ گیا تو کیا تم اسے واپس اپنے قدموں میں جگہ نہ دو گی۔"

"جسم کی ایسی توہین نہ کرو۔ مجھے تمہارا جسم قدموں میں نہیں کھلی بانہوں میں چاہئے مگر میں تمہیں تم سے بہتر جانتی ہوں۔ تمھارا جسم تمہارے دماغ کا غلام ہے اور زبردستی کی میں قائل نہیں۔"

"اور میرا دماغ میرے جسم کا غلام ہے۔"

"ہر مرد کا جسم دماغ پر چھایا رہتا ہے۔ اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ صدیوں کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ اور پھر چور چور ہو جانے سے بہتر ہے کہ سمجھوتہ کر لیا جائے۔"

یعنی اگر میرا جسم کیچڑ میں مچلنے کو تیار ہو جائے تو میں اپنے دماغ کو بھی گٹر میں پھینک دوں۔"

"عقل اور تعلیم کی ترازو میں انسان کو تولنا انصاف نہیں۔ مثلاً مونا بہتر عورت ہے۔ اس کے پاس جو سرمایہ ہے۔۔۔ وہ میرے پاس نہیں۔ اس لئے کیچڑ کبھی کبھی صندل سے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے۔"

"تمہیں احساس کمتری نے اندھا کر دیا ہے۔ یہ کیا کہہ رہی ہو۔"

"ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں۔ ورنہ وہ تمہیں یوں نہ چھین لے جاتی۔"

"بکواس۔ مجھے کسی نے نہیں چھینا۔"

"سموچہ نہ سہی پر ملائی تو اتار لے گئی۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ اس کی آنکھیں عجیب طرح چمک رہی تھیں۔ چہرہ بھبوکا ہو رہا تھا۔ انگلیوں کے پورے سرد پڑ گئے تھے۔ اور ہتھیلیاں پسینے سے تر تھیں۔ آگ اور پانی کے اس بے رحم میل سے اس پر کچھ انجانی سی بحرانی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔

"تو کیا رائے ہے تمہاری؟" ماجد نے جل کر پوچھا۔

"تم اس سے شادی کر لو۔۔۔۔۔ دیکھو۔۔۔ دیکھو۔۔۔۔ ٹھنڈے دل سے بات سنو تم اگر جلتے توے پر بیٹھ جاؤ اور یہ کہو کہ اس کا جسم زیادہ حسین اور زیادہ دل چسپ نہیں تو میں یقین نہیں کروں گی۔"

"دنیا میں کروڑوں عورتوں کے جسم زیادہ۔۔۔۔ اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہیں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں عقل کے سارے دروازے بند کر کے زندہ رہ سکتا ہوں۔ یہ نادر شاہی حکم صادر کرنے کا تمہیں کسی طرح بھی حق نہیں پہنچتا۔ ذرا غور کرو تم مجھے کس بری طرح ٹھکرا رہی ہو۔ اگر ایسا ہی تھا تو تم نے اس وقت فیصلہ کیوں نہ کیا۔ جب۔۔۔۔۔"

"جب عورت کی انا سامنے آ کر ڈٹ گئی اور میری عقل پر پردے پڑ گئے۔ تم پر اپنا حق سمجھتی تھی کہ یہ اندازہ بھی نہ کر سکی کہ تمہیں جیت نہ سکوں گی۔ پورا نہ پا سکوں گی اب تمہیں ادھورا پا کر اس فیصلہ پر پہنچی ہوں کہ یہ میری خود غرضی اور کمینہ پن ہے کہ تمہارے بنوارے پر تل گئی ہوں۔ دوسرے اس وقت واقعی حد سے زیادہ خود غرض تھی کہ تمہیں کھو دینے کے بعد میری نسوانیت کو داغ لگ جائے گا۔ لوگ تمہیں گالیاں تو دیں گے، ساتھ میں میرے اوپر بھی ترس کھائیں گے۔ اف اللہ! ترس کیسے کھلا سکتی تھی دنیا کو؟ نہایت جھوٹا اور احمقانہ غرور، ہارا ہوا اوچھے ہتھیاروں پر اتر آتا ہے۔ مجھے اپنے پر اعتماد تھا کہ میں الٹی کوڑی کو پلٹ سکوں گی۔ تم بھی میرے رہو گے۔ اور تمہاری بچی کو ممتا دے کر شاید اس زیادتی کا کچھ بدلہ ہو جائے جو میں نے بانجھ ہو کر تمہارے حق میں صادر کی ہے۔"

"تم اپنی دانست میں اپنی پیٹھ پر خود اپنے ہاتھ سے درے لگا کر پراشچت کر رہی ہو۔"

ہو سکتا ہے، کیوں نہیں۔ کہ جسمانی کوڑے ضمیر کی چوٹ سے کہیں بے ضرر ہیں۔"

"تو تم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے ضمیر کی چوٹوں سے بچنے کے لئے اپنے دماغ کی یکسوئی کے لئے میری قربانی چڑھاؤ گی۔"

"ہنسی خوشی نہیں۔ بڑے ریاض کے بعد میں نے تیاری کی ہے۔"

"تو اب تم مجھے دے ڈالنے پر پوری طرح تیار ہو۔"

عابدہ خاموش ہو کر کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

"کیا کوئی راستہ نہیں؟ تمہارے دل میں میرے لئے کوئی گنجائش نہیں۔؟"

"اس کے برعکس میرے دل میں سوائے تمہارے اور کسی وہم کی بھی گنجائش نہیں، پچھلے ڈیڑھ سال سے بس تم ہی تم ہو ہر چہار طرف۔ تم سے نفرت، تم سے غصہ، تم سے پیار، تم سے ہمدردی، تم ہی سے جا ملتے ہیں میرے ہر خیال کے سلسلے۔ اور تم کہتے ہو تمہاری میرے دل میں گنجائش نہیں! تمہارے بارے میں اتنا سوچا ہے کہ اگر خدا کے بارے میں سوچتی تو ضرور پیغمبر کا رتبہ پا لیتی۔ اس کے باوجود تمہیں نہیں پا سکی۔"

"پاتیں تو جب ہی جب کھویا ہوتا۔ اچھا تم نے کہا تھا تمہارے دل میں میرے لئے غصہ بھی ہے اور پیار بھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں تمہارے دل میں ابھی زندہ ہوں۔ پھر زندہ کو دفن کرنے کا فیصلہ کیسے کر سکتی ہو۔ عابدہ میری جان ۔۔۔۔۔ کیا تمہارا جسم مجھے کبھی نہیں پکارتا۔"

"نہیں پکارتا! میرا جسم تمہارے لمس کے لئے سسک رہا ہے۔"

"تو پھر جب میں ہاتھ لگاتا ہوں تو ۔۔۔"

"تو ۔۔۔ تو نہ جانے کیا ہوتا ہے۔ شاید وہ اپنی کمتری کے احساس سے جھجک کر مفلوج ہو جاتا ہے!"

"عابدہ۔" ماجد کو عابدہ کی اجنبی آنکھوں سے وحشت ہونے لگی۔ "میرے پاس آؤ ۔۔ ادھر آؤ۔"

وہ کھڑکی کے سامنے اس کی طرف پشت کئے کھڑی تھی۔

"کبھی کبھی خیال آتا ہے، اگر میں نے ہمت سے کام لیا ہوتا تو سب ٹھیک ہو جاتا" وہ خود سے باتیں کر رہی تھی۔ "اگر میں مر جاتی تو ۔۔۔"

"عابدہ!"

"سارا جھنجھٹ مٹ جاتا۔"

"میں تمہارے بعد زندہ نہ رہ سکتا۔

"تم یہی کہتے، اور جان دینے پر تل جاتے مگر سب تمہیں بچا کر سمجھاتے مرنے والے کے ساتھ کوئی نہیں مرتا، اور تم سمجھ جاتے۔ پھر تم یوں اپنے جیون کے دو ٹکڑے کرنے پر مجبور نہ ہوتے۔ پھر تم اصلی معنوں میں زندہ رہتے۔ تم تمہاری بیوی اور بچی۔"

"بند کر دیہ بکواس خدا کے لئے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

" وہ پھر بڑی پشیمان ہوئی ۔۔۔ اور کیا عجب میری شکر گزار ہوتی کہ میں نے اس کی زندگی کو سنورنے کا چانس دیا۔ تب وہ شاید اس کا نام بجائے کٹی کے صبیحہ رکھتی۔ "

ماجد کا سر چکرا رہا تھا اور آنکھوں کے سامنے رنگ برنگے حلقے ناچ رہے تھے۔

" جب پہلی دفعہ مجھے معلوم ہوا تو میں مرنے کا قصد کر کے سمندر کی طرف گئی۔ مگر میری ہمت جواب دے گئی۔ ایک بار سمندر میں نہاتے سمے میرا پیر پھسل گیا تھا۔ اور میں نے خوب ڈبکیاں کھائی تھیں۔ حلق میں تمام ریت اور کھارا پانی بھر گیا تھا اس لئے میں نے ۔۔۔ مجھے بہت ڈر لگا۔ موت سے نہیں موت کے مراحل طے کرنے سے "

وہ کھڑکی کے باہر خلا میں نہ جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔ شاید ان خوابوں کی پرچھائیاں جو ٹوٹ چکیں تھیں۔ اس کے چہرے پر ناقابل بیان تھکن تھی۔ ماجد نے شل ہو کر آنکھیں بند کر لیں اور سر تکیہ پر ڈال دیا۔

ایک گلابی تیتری کی طرح اس کا دوپٹہ پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اس کی پتلیوں پر سے پھسلتی ہوئی وہ دور گہرائی میں ڈوبتی چلی گئی۔ اور گوشت کا ایک بے ہنگم لوتھڑا بن گئی۔

" عابدہ ! " اس نے اپنے حلق کی گہرائیوں سے پکارا مگر کوئی آواز نہ نکلی۔ چونک کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ عابدہ کا جسم کھڑکی سے باہر جھکا ہوا تھا۔

" عابدہ ! " اس کا جسم ایک بار لرزا مگر دوسرے لمحہ ماجد نے اس کو باہوں میں جکڑ لیا۔

" کیا ہوا مجو۔ ! وہ اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں دیکھ کر سہم گئی۔

" تم ۔۔۔ تم ۔۔۔ اس کھڑکی سے ۔۔۔ "

" کھڑکی سے ۔۔۔ "

" ہاں عابدہ ۔۔۔ " اس کے پیشانی پر پسینے کے قطرے سے پھوٹ آئے۔

" اوہ ۔۔۔ تم سمجھے میں اس کھڑکی سے گر کر خود کشی کر رہی ہوں۔ "

" ہاں ۔۔۔ میری جان نکل گئی عابدہ ۔۔۔ تم ۔۔۔ "

اس کے جسم کا لوچ پھر فولادی تاروں میں تحلیل ہو گیا۔

" مگر یہ کھڑکی تو زمین سے تین فٹ اونچی بھی نہیں۔ یہاں سے گر کے تو میرے پیر میں موچ آنے کا بھی خطرہ نہیں۔ " وہ ہنسی۔

" ماجد کے ہاتھوں میں زہریلے کانٹے اتر گئے۔

"اگر یہ کھڑکی بجائے تین کے تیس فٹ کی بلندی پر ہو تو؟"

"تو، اف خدا۔"

"تو تم مجھے نیچے پھینک دیتے۔" اس کی آواز میں پیار تھا۔

"عابدہ۔"

"اور لوگ سمجھتے میں نے دل شکستہ ہو کر خودکشی کر لی ہے۔ اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے۔"

تم۔۔۔۔ تم سمجھتی ہو۔۔۔۔" اس کی آواز میں احتجاج نہیں تھا۔ صرف تھکن تھی۔

"سمجھنا تو نہیں چاہتی۔۔۔۔ ماجد۔ مگر میں ہار گئی۔" وہ ہنسی۔ "اب تم ٹھیک ہو گئے اب میں۔۔۔۔ یہاں۔۔۔۔ بیکار کیوں تمھاری کوفت کا سامان بنی رہوں۔" اس کی آواز میں بے انتہا نرمی تھی۔

وہ خاموش سوئی سوئی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔

"حمیدہ نیر دہلی جاتے ہوئے ادھر سے گزرے گی۔ میں اسے لکھ دوں کہ امی جان کو میری ضرورت ہے۔ وہ یہاں مہینہ بھر پہلے آ جائے۔ اس کے آنے سے چہل پہل ہو جائے گی۔"

وہ پھر بھی خاموش رہا۔

"پھر تم کچھ دن کے لئے بنگلور امینہ خالہ کے پاس چلے جانا۔"

"پھر۔"

"امی جان کو برسات کے موسم میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔"

"تم جانا چاہتی ہو۔"

"مکان کی مرمت بھی ضروری ہے۔ میں سوچتی ہوں بڑے ابا والا گھر اگر فروخت ہو جائے ۔۔۔۔ تو ڈاکٹر اور شنکر کے پیسے بھی ادا ہو جائیں گے۔"

"میری بات کا جواب دو۔ تم جانا چاہتی ہو؟"

"میں۔۔۔۔ میں سوچتی ہوں اگر۔۔۔۔"

"کیوں؟"

وہ خاموش اپنے دامن کی شکنیں نکالتی رہی۔

"تم ڈرتی ہو؟ امریکی فلموں کے ہیرو کی طرح میں تمہیں قتل کر کے۔۔۔۔"

"میں مرنے سے نہیں ڈرتی۔۔۔ میں۔۔۔ ماجد۔۔۔۔ مجھے اپنی دماغی حالت پر شک

ہونے لگا ہے۔ میرے اعصاب بہت۔۔۔۔بہت۔ اوہ میں تمہیں کیسے بتاؤں کیا تمہیں کچھ محسوس نہیں ہوتا؟"

"تمہیں اپنی دماغی حالت پر شک ہونے لگا ہے یا مجھ پر۔"

"دونوں ہی باتیں ہیں مجو میری جان۔ ہم دونوں جس دور سے گزرے ہیں وہ بہت اہم ہے۔"

"جانتا ہوں، جو تم پر بیتی وہ دنیا کی کسی عورت پر نہیں بیتی۔" ایک دم ماجد کا چہرہ تمتما اٹھا۔

"یہ تو میں نہیں کہتی مگر شاید میں دوسری عورتوں کی طرح مکمل نہیں۔ میرا دل چھوٹا ہے۔ میں کینہ پرور ہوں۔

"عابدہ۔ میں نے گناہ کیا، اعتراف کیا، توبہ کی۔"

اکتا کر عابدہ نے میز پر سے گلاس اٹھایا اور فرش پر چھوڑ دیا۔ کانچ کے ٹکڑے چیخ کر فرش پر تڑپنے لگے۔

"اگر اب میں اعتراف اپنی غلطی کا کرلوں، تو کیا یہ ٹکڑے جڑ جائیں گے؟"

"تو تم جانا چاہتی ہو۔ چاہے پھر ٹکڑے جڑیں یا گھورے پر پھینک دیئے جائیں۔"

"وقت سارے زخم بھر دیتا ہے۔ تمہاری بیماری کی وجہ سے۔۔۔۔ شاید کچھ کھرنڈ اکھڑ گئے۔

"عابدہ جانتی ہو کبھی میں کیا سوچا کرتا تھا؟"

"کیا؟

"کہ اگر تم نے کبھی میرے ساتھ بے وفائی کی تو بخدا تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔" اور پھر اپنے کو گولی مار لوں گا۔ مگر اب۔۔۔۔"

"اور اب۔۔۔۔"

"اب میں دعا مانگتا ہوں کہ کاش تمہارے قدم لڑکھڑا جائیں، تم میرے ساتھ دغا کرو اور ترازو کے دو پلڑے برابر ہو جائیں۔ تم بھی اتنی گندی ہو جاؤ۔ تب ہم دونوں برابر ہو جائیں یہ دوری مٹ جائے۔"

"اسی لئے میں کہتی ہوں ہمیں ساتھ نہیں رہنا چاہیئے۔ ورنہ وہ کچھ ہو جائے گا جو نہیں ہونا چاہیئے۔" اس کی سانس پھول گئی۔ جیسے وہ بہت دور سے دوڑی چلی آ رہی ہو۔

حمیدہ کو لکھو وہ میرے گرم کپڑے لیتی آئے۔ بنگلور میں خنکی ہو گی۔ ماجد نے کروٹ لے کر

منہ دیوار کی طرف کر لیا۔
عابدہ بڑی تیزی سے پلیٹیں چمچے گن کر الماریوں میں بند کرنے لگی۔ زائد تولیا چادریں اپنے بکس میں ساتھ لے لیں۔ نہ جانے کتنے عرصے کی یاترا ہو۔ لوگ بڑے ہتھ چھٹے ہیں۔ جھاڑو بھی نہ چھوڑیں گے۔
عابدہ ہمیشہ رنگے چنے دوپٹے اوڑھا کرتی تھی۔ سال بھر چلتے تھے۔ اس کے وہ دوپٹے جو وہ سسرال سے ٹانک کے لائی تھی۔ جب ٹکن والے ختم ہو جاتے تو وہ خود ہی رنگ میں ڈبو کے کچھ دن کام چلا لیتی تھی۔ مگر کچھ دن سے وہ سفید دوپٹے اوڑھے پھر رہی تھی۔ پھر ایک دن سونے کی چوڑیاں بھی اتار دیں کہ دم بولاتا ہے۔ ماجد چوری چوری دیکھتا اور اس کا دل بیٹھنے لگتا۔ ابھی تو مرا نہیں۔ عابدہ نے اس کا سوگ کیوں منانا شروع کر دیا۔
"انگوٹھی کہاں ہے؟" یہ انگوٹھی اس کی ماں نے دی تھی کہ بیٹا دلہن کو پہنا کر منہ دیکھنا۔
"کون سی انگوٹھی؟ ۔۔۔اوہ ۔۔۔ اس کا نگ ڈھیلا ہو گیا تھا۔ شنکر کو دی ہے ٹھیک کرانے کے لئے۔"
"کیسی انگوٹھی ۔۔۔ بھابھی نے تو نہیں دی۔" ماجد نے شنکر سے پوچھا تو وہ چکرا گیا۔
"اوہ! شاید بھول گئی۔" مگر اس نے عابدہ سے ذکر کرنا اپنی ہتک سمجھا۔
ڈریسنگ ٹیبل پر جو شادی کی دونوں کی تصویر تھی۔ اس کا خالی فریم اس نے الماری کے تختہ پر دیکھا اور چپ چاپ رکھ دیا۔ ردی کی ٹوکری میں اسے صرف عابدہ کی تصویر کے پرزے ملے۔ اس کی اپنی تصویر غائب تھی۔
عابدہ اس بار سارے رشتے توڑ کر جا رہی تھی۔
پھر ایک دن پلیٹیں چمچے واپس سائیڈ بورڈ پر سج گئے۔ تولیہ، چادریں بڑے صندوق سے نکل پڑیں۔ اور شنکر سے گھر میں قلعی کرنے والوں کو بلایا جانے لگا۔
مگر انگوٹھی اور چوڑیاں واپس نہ لوٹیں۔
ڈاک آتی تو عابدہ چیل کی طرح جھپٹتی۔ ماجد کی ڈاک میز پر رکھ کر وہ غسل خانے میں بند ہو جاتی۔ فلش میں ایک دن اس نے نہایت اعلیٰ قسم کے لفافے کے پرزے بھی دیکھے۔ پتہ نفاست سے ٹائپ کیا ہوا تھا۔ عابدہ کھوئی کھوئی سی غسلخانے سے نکلتی، پھر گودرج کی الماری کا لاکر کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔
"میں ابھی آئی۔ ذرا نکڑ تک جا رہی ہوں۔"

ماجد جاسوسی میں ماہر ہوتا جارہا تھا۔ وہ نکڑ تک نہیں۔ اس سے ذرا آگے ڈاک خانہ تک جاتی تھی۔

"شاید کہیں نوکری کا پروگرام ہے۔" ماجد دل ہی دل میں سوچتا۔ اس کے ہاتھ پیروں کا درد پھر عود کر آیا تھا۔ بغیر تنخواہ کے چھ مہینے کی درخواست دے رکھی تھی۔ عابدہ کی والدہ نے دو ہزار کا ڈرافٹ بھیجا تھا اس میں معلوم ہوتا تھا گولر کا پھول پڑ گیا ہے۔ عابدہ کو وہ ہمیشہ کوڑی کوڑی پکڑا دیتا تھا۔ پچھلی چھٹی کی تین مہینے کی تنخواہ آدھی منظور ہوئی تھی۔

"حمیدہ کا خط آیا؟" اس نے دس بارہ دن صبر کرنے کے بعد پوچھ ہی ڈالا۔

"نہیں۔"

"کیوں"

جواب دینے کی بجائے وہ دوسرے کمرے میں جا کر مختلف کمروں کے مختلف رنگوں کے بارے میں سمجھانے لگی۔

"میں نے کیا پوچھا تھا؟" وہ ڈرائنگ روم سے گزری تو ماجد نے پکارا۔

کیا۔۔؟ اس نے کچھ تنک کر جواب دیا۔ "ہمیں نہیں معلوم۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی کیوں دق کر رہے ہو؟ مستری کہتا ہے لائی لاک بیڈ روم ٹھیک نہیں رہے گا۔"

"لائی لاک؟"

"رنگ، ہلکا کاسنی رنگ۔"

"کیا پاگلوں کی سی باتیں کر رہی ہو۔"

"اچھا لائی لاک نہیں تو فاختائی کر دو۔" وہ ماجد کو قطعی نظر انداز کر کے مستری سے سر مارنے لگی۔

نہ جانے کیوں ماجد کا جی ہلکا ہو گیا۔ بارہ برس کی نئی بیاہی دلہن یاد آ گئی۔ رات کو سوتے سوتے چونک کر کہا کرتی تھی۔

"ہلکے بادامی پردے تو ہر کمرے میں کھپ جائیں گے۔ مگر دیوان پر بادامی کور ہونا چاہیئے۔"

اور وہ اس کی گھرداری کا مذاق اڑاتا۔

"انٹیریر ڈیکوریشن کا کورس لے لوں۔" وہ بڑے شوق سے پوچھا کرتی۔

"ہشت۔"

"تو پھر کھانا پکانے کا؟ بیکار گھر میں وقت ضائع ہوتا ہے۔"

"واہیات"

"تو پھر تمہاری رائے میں کون سا کورس ٹھیک رہے گا۔"

"انٹر کورس! وہ اسے پکڑ کر چھیڑتا۔

"ہٹ۔۔۔" وہ جھینپ کر منہ پھیر لیتی۔۔۔۔" ہر وقت گندی باتیں۔ چھی۔"

"زندگی کی حسین ترین شے کو گندی باتیں کہتی ہو۔"

اس نے ایک لمبی سی سانس لی۔۔ کیا عابدہ کے سپنے پھر جاگ اٹھیں گے۔

"ہاں۔۔۔ کیا پوچھ رہے تھے۔ بڑا بد ہے یہ مستری ٹال مٹول کئے جا رہا تھا۔" وہ آ کر بڑے مسے سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"حمیدہ کا خط آیا؟" اس کا جی تو نہیں چاہ رہا تھا پوچھنے کو۔

"نہیں۔ میں نے خط ہی نہیں لکھا جو اس کا جواب آتا" ہے ہے، غضب ہو گیا۔"

"کیا ہوا؟"

"میری بھی مت ماری گئی ہے۔ خیر رنگوالوں گی۔"

"کیا بک رہی ہو میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" ماجد چڑ گیا۔

"بیڈ روم کے پردے تو گلابی ہیں۔ بڑے چیپ لگیں گے۔ ذرا گہرے فاختئی ٹھیک رہیں گے یا پستئی۔ وہ خود سے کہنے لگی۔ جیسے ماجد وہاں ہو ہی نہیں۔

"لاحول ولا قوۃ!" ماجد چڑ گیا۔

وہ بے اختیار ہنسنے لگی۔ اتنا ہنسی کہ آنکھوں میں پانی آ گیا۔ پھر بڑے پیار سے اسے دیکھتی رہی۔

"صاف صاف کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ ہم جا رہے ہیں یا نہیں۔"

ماجد کے حلق میں گولا پھنسنے لگا۔

"بتاؤ۔۔۔"

"کیا؟" وہ پھر شرارت پر اتر آئی۔

"جا رہی ہو؟" ماجد نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"نا۔۔"

"کیوں؟ اس نے بمشکل گھٹے ہوئے گلے سے پوچھا۔ اس کے کان تو غلطی نہیں کر

رہے۔
"ہماری مرضی۔"
"اور۔۔۔۔۔ کانچ کے ٹکڑے؟"
"پھینک دیئے کوڑے کے ڈبہ میں۔" وہ بڑے بچوں پنا سے پیر ہلانے لگی۔
وہ خاموش اسے نیم وا آنکھوں سے دیکھتا رہا۔
"تو پھر وہ لفافے کے پرزے، ڈاکخانہ کے چکر؟ اور گودرج کی الماری کے لاکر کا کھٹکا؟"
اس کے سر میں دھمک ہو رہی تھی۔ کوئی نیچے سے دل کو دھکیل رہا تھا۔ پھیپھڑوں میں خشک ریت کے بگولے ناچنے لگے۔
اس نے بانہیں پھیلا دیں۔ عابدہ کا دوپٹہ پیاز کے چھلکے کی طرح شانے سے اتر گیا۔

نورو سقے کی لونڈیا اپنے میلے بدبودار دوپٹے سے اس کی آنکھیں پونچھ رہی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں کے تو جیسے واشر گل چکے تھے۔ ایندھن کی کوٹھری کے کچے فرش پر پسینے کی بوندیں ٹپک کر جذب ہو رہی تھیں۔ وہ اس کے اناڑی پن پر ہنس رہی تھی۔
مگر عابدہ ہنسی نہیں۔
باہر دھیمی بارش نوحہ کناں تھی۔ ماجد مٹی کے ڈھیر کی طرح سسک رہا تھا۔ عابدہ کے کلف دار دوپٹے سے اس کے پپوٹے چھل گئے تھے۔
جب میلی میلی صبح ہو رہی تھی تب تھکان سے چور ہو کر دونوں اذیت بھری غنودگی میں ڈوب گئے۔
"تمھارا زیور کہاں ہے؟" ماجد نے ایک دن پوچھا۔
"امی جان کے پاس چھوڑ آئی۔" عابدہ کشن کے غلاف بدل رہی تھی۔
"وہ نہیں۔ جو تم ہمیشہ پہنے رہا کرتی تھیں۔ بندے۔"
"رکھے ہیں۔"
"چوڑیاں، انگوٹھی۔"
"سب رکھی ہیں۔ کیوں پوچھ رہے ہو۔؟"
"پہنتی کیوں نہیں۔"
"جی گھبرا گیا۔ پہن لوں گی۔"

"ابھی پہن لو۔"

"کیوں کیا بغیر زیور اچھی نہیں لگتی؟"

"یقین نہیں رہا۔"

پھر وہی بے تکی باتیں، ماشاء اللہ بیٹی کے باپ ہو تم پر کون یقین کھو سکتا ہے۔

"عابدہ"

"ہوں۔"

"طلاق لے لو۔"

"کیوں؟ پھر کیزار رہنگا۔"

"ایک بار تم نے طلاق مانگی تھی۔ میں نے انکار کر دیا تھا۔ اب میں سمجھتا ہوں، عابدہ میں مر چکا ہوں۔"

"مجو ڈارلنگ میں نے وینا جی سے پوچھا۔ وہ کہتی ہیں اس بیماری کے بعد ایسا ہوتا ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اور جو نہ ہوا۔"

"مجو شادی بس ایک ہی جذبے کا نام نہیں۔ اس جذبے کی تسکین کو تو بازار کھلا ہے۔ مجھے تم سے شکایت نہیں۔ لیکن اگر تم سوچتے ہو کہ یہ ڈھونگ ہے میں تمہاری ۔۔۔۔ تمہاری اس تکلیف کا باعث ہوں تو تمہیں کون روک سکتا ہے اگر کوئی دوسری عورت تمہیں زندہ کر سکتی ہے تو؟"

"مجھے کوئی زندہ نہیں کر سکتا، دوسری، تیسری، چوتھی، مجھے کوئی عورت نہیں چاہیے۔"

"تو ایک کام کر دو۔"

"کیا؟"

"مجھے عورت مت، سمجھو اپنا دوست، ہمدرد جو چاہو سمجھ لو۔ رشتہ دار تو ہوں وہی سمجھ لو۔"

"تم سرن ہو۔"

"اس میں کیا شک ہے۔ اچھا بکواس بند۔"

"عابدہ۔" ماجد نے تھوڑی دیر آنکھیں بند کر کے پوچھا۔

"ہاں جان۔"

"یہ نوکری تو اب جاتی نظر آتی ہے۔"

"نہیں، ابھی تم دس مہینے کی چھٹی اور لے سکتے ہو۔"

"بغیر تنخواہ کے۔"

"ہاں۔ بھوکی مرد گی۔"

"بھوکی مردگی؟"

"ویسے بھی تم پر مرتے، اب ذرا بھوکوں مرنے کا مزہ بھی چکھ لیں گے ویسے بارہ برس تم نے رکھا اب بارہ برس ہم تمہیں رکھیں گے۔"

"تم سڑن ہو۔"

"اس میں کیا شک ہے۔"

"مگر بڑی پیاری سڑن ہو۔"

"جب ہی تو طلاق نہیں لے رہے ہیں ہم۔"

"تم نے واقعی مجھے اپاہج بنادیا ہے۔"

"تاکہ بھاگ نہ سکو۔" وہ بڑی کھل کر ہنسی۔ "عابدہ!"

"اوفوہ۔ ابھی اور کچھ کہنا ہے۔"

"پیازی دوپٹہ نہ اوڑھا کرو۔"

"لو نہیں اوڑھتے۔" اس نے دوپٹہ اتار کر اس کے منہ پر مار دیا۔ ماجد نے لپک کر اسے کشن کے انبار پر گرادیا۔

گھنٹی بجی اور ڈاک کے ڈبے میں کھٹ سے کاغذ گرنے کی آواز آئی عابدہ تڑپ کر اس کے پہلو سے نکل گئی۔ زمین پر پڑا پیاز کا چھلکا اٹھا کر وہ بھاگی دروازے کی طرف۔

ڈاک لے کر وہ واپس پلٹی اور اس کے سامنے ڈال کر خود باورچی خانہ کی طرف چلی گئی۔

"سوپ کے لئے کہنا بھول گئی۔" مگر ماجد سمجھ گیا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے اور کچھ چھپا رہی ہے۔

اس نے فیصلہ کرلیا کہ اس کی ساری الجھنوں کا جواب عابدہ کی گوڈریج کی الماری کے لاکر میں موجود ہے، عابدہ کنجی ایک منٹ کے لئے نہیں چھوڑتی اور اس سے مانگنے کی ہمت نہیں۔

لیکن اگر لاکر نہیں کھولا تو وہ پاگل ہو جائے گا۔ کئی دن تک وہ لاکر کو خوش اسلوبی سے کھولنے کی ترکیبیں سوچتا رہا۔ وہ کنجیاں بجاتی ادھر سے ادھر گھومتی تو ماجد پر جنون کی کیفیت طاری ہونے لگتی۔ آخر اس نے کیا دبا رکھا ہے۔

ایک دن اس کی قسمت نے یاوری کی اور اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے دیکھا کہ کنجیوں کا گچھا کسی بت طناز کی طرح عابدہ کے تکیئے کے نیچے سے جھانک رہا ہے۔ وہ تھکن کا بہانہ کر کے لیٹ گیا۔ عابدہ اس کی چالبازی سے بے خبر آئینے کے سامنے بیٹھی بال سلجھا رہی تھی۔ شاید ڈاک خانہ جا رہی تھی۔ اسی لئے ساڑھی پہنی تھی۔ تیار ہو کر وہ دروازے تک گئی۔ کمر میں لٹکنے والے چاندی کے چھپکے کی غیر موجودگی کو محسوس کیا اور پلٹ پڑی۔

ماجد کی جان نکل گئی۔ وہ نہایت غافل بن گیا۔ وہ تھوڑی دیر سرہانے کھڑی چابیوں کا گچھا نکالنے کے امکانات پر غور کرتی رہی۔ ماجد کا دل اتنی زور زور سے دھڑک رہا تھا کہ اسے یقین تھا کہ وہ سن رہی ہو گی۔

اس کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر ساکت پڑا رہا۔ عابدہ کے جوتوں کی کٹ کٹ دور چلی گئی تب وہ ہانپتا کانپتا اٹھا۔ اسے یہ تک پہچان نہ تھی کہ کون سی کنجی کون سے تالے کی ہے۔ اس کے جسم میں نامعلوم سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور بایاں بازو بے دم سا ہوا جا رہا تھا اور شانے پر گہرا بوجھ تھا۔ ہارٹ اٹیک ہو سکتا تھا۔ مگر وہ جان کی بازی لگائے کنجی پر کنجی لگا رہا تھا۔ خدا خدا کر کے الماری کھلی۔ لاکر کے اندر کچھ نہ تھا۔ بس ایک کونے میں چند لاکھ پر نگ جڑی چوڑیاں اور دو چار مصنوعی زیور پڑے تھے۔ چیک بک اور بجلی گیس کے بل بھی تھے۔

مگر دوسرے کونے میں ایک موٹی سی فائل دیکھ کر وہ لڑکھڑا گیا۔ کتنی بھاری تھی وہ ایک معمولی فائل لے کر بمشکل وہ کرسی تک پہنچا۔

فائل کیا تھی ماجد کا اعمال نامہ تھا۔ مونا کا ایک ایک خط بڑی نفاست سے تاریخ وار نتھی کیا ہوا تھا۔ ان کے علاوہ آج تک جو کچھ بھی اس مد میں خرچ ہوا تھا۔ اس کا کوڑی کوڑی کا حساب موجود تھا۔ ہسپتال کا خرچ، نرسوں کو بخشش ٹیکسیوں کا کرایہ، پونا کے قیام کا حساب۔ یہاں تک کہ جو کپڑے عابدہ نے کٹی کے لئے بنائے تھے، اون اور سلائیاں وغیرہ کی بھی تفصیل تھی۔ تین سو روپے ماہانہ پر فیصلہ ہوا تھا مگر ہر ماہ کسی نہ کسی مد میں سو پچاس اوپر سے شامل تھے۔ مگر آخری رقم کی رسید جو چند روز پہلے بھیجی گئی تھی۔ وہ پانچ سو کی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اتنی چھوٹی سی زندہ دلی اتنی مہنگی پڑے گی۔ لوگ اتنے بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں، عیاشیاں کرتے ہیں۔ مزے سے ہاتھ جھاڑ کے چل دیتے ہیں۔ اگلے زمانے میں زانی کو سنگسار کر دیا جاتا تھا۔ مگر اس پر ننھی ننھی کنکریوں کی پھوار ایک پہاڑ بن چکی تھی۔ اور سانس ابھی چل رہی تھی۔

مانا کا تازہ خط ابتدائی خطوط سے مختلف تھا۔ ان کا کاغذ چکنا، حسین اور خوشبودار تھا۔ پتہ بھی

ڈنکن روڈ کا نہیں عمر پارک کا دیا ہوا تھا۔ تازہ ترین خط میں اس نے لکھا تھا۔

اس کی مشغولیت کو دیکھتے ہوئے نینی کا ہونا اشد ضروری ہے۔ اس کے ہاتھ کے نیچے کام کرنے کیلئے منگلوری آیا ہے مگر وہ پوتڑے نہیں دھوتی لہذا گنگار کھنی پڑتی ہے۔ پونے چار سو فلیٹ کا کرایہ ہی ہے۔ مگر بچی کا بار وہ سرن کے کندھوں پر۔۔۔

ماجد کے بائیں شانے میں بھالا سا اتر گیا۔ مغز میں سوئیاں سی کھٹکنے لگیں۔

آخر میں لکھا تھا۔ اگر تنگی کا یہی حال رہا تو بچی کو کسی یتیم خانہ میں چھوڑنا پڑے گا۔ اور تنگی مٹانے کے لئے عابدہ نے جو پانچ سو بھیجے تھے ان کی رسید ساتھ نتھی تھی۔

اب چوریاں بھی کرنے لگے۔ عابدہ نے فائل چھیننے کی کوشش کی، وہ کب لوٹی، ماجد کو پتہ بھی نہ چلا۔

"بھی، اسے تمھارا مطلب ہے حرام کاری کے ساتھ۔۔۔"

"اچھا مہربانی سے باز اور باتیں نہ کیجئے۔" اس نے فائل چھوڑ دی اور مجرموں کی طرح الماری بند کرنے لگی۔

"میرے نام کے خط تمھارے پاس کیسے پہنچے؟"

وہ اس کی طرف بے تعلقی سے پیٹھ کئے لاکر منٹولتی رہی۔

"میرے سوال کا جواب دو۔" وہ گرجا۔

"شنکر نے بھیجے۔"

"حرامزادہ۔ اس نے میرے نام کے خط تمہیں کیوں بھیجے۔"

"اس کا کوئی قصور نہیں۔ میں اسے تاکید کر گئی تھی۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ تم نے معاملہ میرے سپرد کر دیا تھا۔"

"اسی لئے ڈاک خانہ بھاگتی ہو۔"

"قطعی نہیں بھاگتی۔ بڑے رسار ساں چلتی ہوں۔ اللہ قسم! وہ الماری بند کر کے مسکرائی۔

"تین سو کے بعد یہ پانچ سو۔ تم نے کس کی اجازت سے بھیجے؟"

"خود اپنی اجازت سے۔"

"وہ تمہیں بلیک میل کرتی رہی اور تم؟۔۔۔ تم نے مجھ سے ذکر کرنا بھی ضروری نہ سمجھا۔"

تمہیں پریشان کرنے سے کیا فائدہ ہوتا۔ ڈاکٹر کہتے ہیں۔ اس بیماری کے بعد سالوں احتیاط کرنا پڑتی ہے۔"

"تم نے یہ نہ سوچا کہ جب مجھے معلوم ہو گا، تم۔۔۔۔۔"

"میرا خیال تھا تمہیں کبھی نہ معلوم ہو گا جس دن تم نے یہ معاملہ میرے سپرد کیا پھر پلٹ کر کبھی کچھ نہ پوچھا۔ کبھی کوئی تفصیل معلوم کرنے کی کوشش نہ کی میرا خیال تھا تم کو اس فائل کے وجود کا پتہ بھی نہ ہو گا۔ اور یہ کہ تم کبھی میرے اوپر شک کر کے میری الماری کی تلاشی لو گے، یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔"

اس نے اپنا خشک کاغذ جیسا ہاتھ اس کی پیشانی پر پھیرا۔ "لیٹ جاؤ۔" ماجد اس کے لمس سے چڑ کر اور بھڑک اٹھا۔

"ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔" اس نے عابدہ کا ہاتھ جھٹک دیا۔ تم نے یہ فرد جرم اتنی عرق ریزی سے تیار کی ہے۔ اس کا جواب نہیں۔

"فرد جرم" عابدہ کا رنگ مٹی ہو گیا۔ بڑی تیزی سے وہ اپنے آنچل کی شکنیں مٹانے لگی۔

"اس ڈر سے کہ میں کہیں بھول جاؤں اور انکار کرنے لگوں، تم نے۔۔۔۔۔"

"نہیں نہیں مجو تمہارے سر کی قسم جان۔۔۔۔ میں نے۔۔۔۔ میں۔" اس کے چہرے کے عضلات پھڑکنے لگے۔ "میں تمہیں کوئی بات جھٹلانا نہیں چاہتی۔ میں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ تمہیں اپنی اولاد سے محبت نہیں، یا اس کی ماں سے تمہارا کوئی رشتہ نہیں۔ میرا تمہارا رشتہ تو میرے دم تک ہے اور اس کا رشتہ بیٹی اور اس کی اولاد در اولاد بہت دور تک جائے گا۔

"تمہاری دریادلی کا جواب نہیں۔ تم دیوی ہو دیوی۔ مجھے اپنے چرنوں میں ماتھا ٹیکنے دو" ماجد نے بڑے ڈرامائی انداز میں تیر مارا۔

"تم چاہو تو اس سے بھی زیادہ کمینی باتیں کہہ سکتے ہو۔"

"اور تم سہار جاؤ گی، تاکہ ندامت کا بوجھ اور میری چھاتی پر بڑھ جائے"

"کہے جاؤ، سارا زہر اگل دو، شاید کچھ کڑواہٹ کم ہو جائے۔ قاعدے سے تو مجھے رونا پیٹنا اور فیل مچانا چاہئے تھا کہ یہی دنیا کی شریف بیویوں کا دستور ہے مگر تم نے جب مجھے اپنا ہم راز بنایا تو بیوی نہیں اپنا دوست سمجھا۔ تم نے انوکھی بات کی، میں نے انوکھا جواب دیا۔ تم جانتے ہو، میں کتنی سگھڑ ہوں۔ یہ فائل تمہارا اعمالنامہ نہیں۔ میں کوئی کام بھی لشتم پشتم نہیں کرتی۔ چلو اس نامراد فائل کو چولہے میں جھونک دو، بس؟"

"تم نے جاتے جاتے ارادہ کیوں بدل دیا۔"

"مجو، بارہ برس تمہارے ساتھ رہتے رہتے کچھ تمہارے وجود کی عادی ہو گئی ہوں۔ تمہارے بوجھ کو اپنا کر اب بھی تمہیں اپنا سمجھتی ہوں۔ تمہاری بیماری میری ہے۔ تم جی سے کھانا کھالو، میرا پیٹ بھر جاتا ہے، تمہارے جوڑوں میں درد ہوتا ہے، میرا کلیجہ کٹنے لگتا ہے۔ یقین نہیں آیا ہے ابھی کہ تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔ ہاں ہاں، کہدو، سزن ہوں۔ فرسودہ خیال ہوں۔ سچ ڈرتا ہوں۔ اچھا بتاؤ اگر طلاق کے بعد بھی میں تمہیں اپنا مانتی رہوں تو تم میرا کیا کر لو گے۔"

"خدا کا واسطہ مجھے اتنا بلند مرتبہ نہ دو۔ میرا دم گھٹا جاتا ہے۔ میں اتنا بوجھ نہیں سہار سکوں گا۔" اس کا چہرہ مسخ ہو گیا۔

للہ ماجد ۔۔۔ میری جان۔" وہ بے چینی سے انگلیاں چٹخانے لگی۔

"یہ محبت نہیں پھانسی ہے۔ اگر میں تمہیں ہاتھ لگاؤں تو تمہاری رگوں کا خون جم جاتا ہے ۔۔۔ مجھے ایسی روحانی محبت سے خوف آتا ہے۔ ایسی محبت مردے کیا کرتے ہوں گے۔ مجھے اس لاش سے گھن آتی ہے۔" وہ بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ پھر ایک دم اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "میرے کھودے ہوئے کنوئیں میں تم نہ ڈوبو۔ عابدہ اس مکڑی کے جالے سے نکل جاؤ۔"

"کیسے نکل جاؤں، کوئی راستہ ہو؟" وہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانک کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔

"میں ابھی ٹکٹ کا انتظام کرتا ہوں۔" وہ اٹھا۔

"جانے کا وقت نکل گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"شروع ہی میں تمہاری باتوں میں نہ آ کر چلی جاتی تو سب ٹھیک ہو جاتا۔ مگر نہیں جا سکی۔ میری خود غرضی اور کمزوری نے میرے پیر تھام لئے۔"

"میں نے تمہیں روکا۔"

"مگر میں کیوں رکی؟ کیونکہ رکنا چاہتی تھی۔"

"تمہاری منطق مجھے دیوانہ بنا دے گی۔"

"میری وجہ سے اس کی زندگی بھی برباد ہوئی۔ اسے سزن جی کا سہارا لینا پڑا کیونکہ اس گھر کے دروازے اس پر بند ہیں۔ جملہ حقوق میرے نام محفوظ ہیں۔ میں مسز ماجد کہلاتی ہوں اور وہ تمہاری بچی کی ماں ہو کر بھی قانوناً کوئی نہیں۔ یہ قانون نہیں ڈھکوسلہ ہے۔"

"اگر کوئی نالی میں قے کر دے اور اس میں کیڑے بجبجانے لگیں تو اس نالی سے اس کا بیاہ ہو جائے گا۔"

"تم مونا کو نالی اور بچی کو کیڑا کہہ کر اپنی دانست میں میری عزت افزائی کر رہے ہو، مگر ماجد میں اتنی چھچھوری نہیں ہوں میں نے مونا کو تم سے زیادہ قریب سے دیکھا ہے۔ ہاں ہاں تم اس کے ساتھ سوئے ہو مگر میں نے اس کے ساتھ یاس اور نامرادی میں ڈوبی ہوئی راتیں کاٹی ہیں۔ ساتھ مل کر تمہاری بے وفائی کا ماتم کیا ہے۔ جانتے ہو اسے میرے اوپر بڑا ترس آتا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے بھی یقین نہیں کیا کہ تم اسے مجھ جیسی غیر دلچسپ شے کی وجہ سے چھوڑ رہے ہو۔ وہ سمجھتی تھی تم ہرجائی ہو اور میں ساری عمر تمہاری عیاشیوں پر اپنا آنچل ڈالتی رہوں گی کہ مجھ جیسی بنجر عورتوں کا یہی فرض ہے"

"ایک رنڈی کے ساتھ مل کر تم نے میرے خلاف محاذ بنالیا۔"

"ہم بے چاریاں کیا تمہارے خلاف محاذ بنائیں گی۔ تمہارے پیچھے ہم ایک دوسرے کی گردنیں مروڑتی پھرتی ہیں۔ تم کہیں ٹھوکر مارتے ہو، کہیں ناک رگڑ کر الو سیدھا کر لیتے ہو۔ اچھا میں ایک شرط پر طلاق لینے کو تیار ہوں کہ تم اس سے شادی کر لو۔ بولو منظور ہے۔"

"پھر وہی مرغ کی ایک ٹانگ۔ میں کہہ چکا ہوں کہ اس کا میرا کوئی جوڑ نہیں۔"

"اس لئے کہ وہ تمہارے علاوہ اوروں کے استعمال میں رہ چکی ہے۔ تو پھر یہ کہو کہ میرا اور تمہارا بھی کوئی جوڑ نہیں۔ کیونکہ تم بھی اوروں کے کام آچکے ہو، جبکہ میں صرف تمہاری ہی ممنون رہی ہوں۔ ہاں کہہ دو کٹ حجتی کر رہی ہوں۔۔ مگر اس دھاندلی سے کام نہیں چلے گا۔"

"تم الٹی بحث کر رہی ہو۔ بیکار اس کی وکالت کر رہی ہو۔"

"ماجد صاحب آپ نے کبھی بھولے سے یہ بھی سوچا کہ جب صبی۔۔۔۔ کنی جوان ہو گی تو وہ اپنے بارے میں کیا فیصلہ کرے گی۔ جب ایک ایک کر کے مونا کے تمام عاشق کل کی بات ہو جائیں گے تو وہ بیٹی کو بھی وہی راستہ دکھانے پر مجبور ہو جائے گی جس پر وہ بھٹک چکی ہے۔ میں اطمینان سے گھربار سجائے بیٹھی ہوں گی۔ اور میرا ضمیر مجھ سے کچھ سوال نہ کرے گا۔ سن کے بعد۔۔۔"

"سن کے بعد کا سوال کہاں اٹھتا ہے۔ ابھی تو وہ مزے سے تیس چالیس برس اور چل جائے گا۔ خاصہ پائیدار اور ہنستا کھیلتا دھرا ہے۔"

"ہنستا کھیلتا ہے یہی تو سارا غم ہے، مزے کو رو پیٹ کر بیٹھ سکتا ہے انسان سن ہر چھ مہینے بعد موٹر بدلتا ہے موٹروں پر روک تھام ہے۔ مگر لڑکیاں بدلنے کے لئے اسے چھ مہینے کا غوطہ دینے کی بھی

ضرورت نہیں۔ کل میں پوسٹ آفس سے نکلی تو وہ مع ایک نفر کمسن اور حسین لڑکی کے ساتھ گرینڈ بازار سے بنڈلوں کا انبار لئے نکل رہے تھے مجھے دیکھ کر ریشہ خطمی ہونے لگے۔ ان کے کسی دوست کی صاحبزادی ہیں۔ بمبئی سیر کی خاطر آئی ہیں۔ تاج میں سرن کی کمپنی کے ایکزیکٹو سویٹ میں قیام پذیر ہیں۔"

"یہ آخری اطلاع کہاں سے ملی؟"

"مل گئی۔ جہاں سے ملنا چاہئے تھی۔" وہ بڑے رازداری کے انداز سے مسکرائی۔

"بہت کم بیویاں اتنی گریٹ ملیں گی جو اپنے شوہر کی محبوبہ کے عاشقوں کی ایسی خوش اسلوبی سے دیکھ بھال کر سکیں۔" ماجد کی زبان کی تلخی اور زہریلی ہو گئی۔ عابدہ چوٹ کھائی ہوئی خوفزدہ نگاہوں سے تکتی رہ گئی۔ اس کا پھینکا ہوا پانسہ اوندھا ہی پڑتا ہے۔

"جان، بہت تھک گئے ہو۔ تھوڑی دیر آرام کر لو۔ عابدہ نے اسے سہارا دینا چاہا مگر وہ دست شفقت سے جھجک کر مڑ گیا۔ اس کے سر میں آندھیاں اٹھ رہی تھیں۔ کانوں میں سنسناہٹ ہو رہی تھی جیسے کسی نے شہد کی مکھیاں چھوڑ دی ہوں، اس نے ہارے ہوئے جواری کی طرح تکیہ پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

ماجد نے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا اور نیم تاریک پیسیج میں سے ہوتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ عابدہ ایک اسٹول پر کھڑی اپنے پیازی دوپٹے کے آنچل سے امی جان کی تصویر پر خیالی گرد جھاڑ رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر ماجد کو دیکھا کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ اس کے ہونٹوں پر منجمد ہو گئے۔ دونوں کی آنکھوں میں تصادم ہوا اور الجھی رہ گئیں۔

"م۔۔۔ مجن۔۔۔ وہ اسٹول سے ایک پیر اتار کر بیٹھ گئی۔

ماجد کو شرابیوں کی طرح لڑکھڑاتے دیکھ کر وہ تیتری کی طرح پھڑ پھڑا کر لپکی مگر ہاتھ لگانے کی ہمت نہ ہوئی۔ ماجد کا جسم چلے پر چڑھے ہوئے تیر کی طرح تنا ہوا تھا اس کی آنکھوں میں دھواں گھٹ رہا تھا۔

"تم آگئے۔" عابدہ اس پار سے بولی۔

"ہاں۔" ماجد نے بہت دور اس پار سے جواب دیا۔

"گھر سے تھکے ماندے کیوں گئے؟ عابدہ نے درد بھری سسکی لی۔۔۔۔ لو ادھر بیٹھو۔" اس نے اس کی مخصوص کرسی کھینچ کر آگے سرکائی، مگر وہ اسی طرح ٹھیری ہوئی نظروں سے اس کے آر

پاردیکھتا رہا۔"

"چائے کے لئے کہہ دوں۔" وہ باورچی خانے کی طرف جانے لگی۔ ماجد کی نظروں سے اسے دحشت ہونے لگی۔ جب وہ چائے کی ٹرے لے کر واپس آئی تو ماجد جوں کا توں ساکت کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ بیزاری سے لٹکے ہوئے تھے جیسے اپنا فرض بھول چکے ہوں۔ عابدہ نے ٹرے میز پر رکھ دی۔ اور قالین پر بیٹھ کر چائے دانی میں شکر ڈال کر چمچہ چلانے لگی۔

"کیا کہا۔" بغیر کسی تمہید کے اس نے سوال کیا۔

"اس نے کہا تم سے بات کر کے فیصلہ کرے گی۔"

"اوہ! " اس نے دو چمچہ شکر پیالی میں ڈالی۔ آنچل سے کیتلی پکڑ کر چائے انڈیلنے لگی۔" اگر اتوار تک صبر کر لیتے تو کون سی ٹرین چھوٹ جاتی۔ تم اسکے پاس کیوں گئے؟ اس بیچ عورت کے سامنے تمہیں گھگھیانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"مگر تم تو بگڑی بات بنانے میں ماہر ہو۔ معاملہ تمہارے ہاتھ میں پہنچ کر خود سنبھل جائے گا۔

"احسان فراموش کہیں کی۔ اس کی یہ مجال کہ وہ تم سے بدتمیزی کرے۔" عابدہ کا خون کھول اٹھا۔

"قطعی اس کے برعکس! وہ تمہارے احسانوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے اور تمہاری اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی۔"

عابدہ لاجواب سی ہو گئی۔

"پتہ نہیں شکر ڈالی کہ نہیں۔" وہ شکر دان کو بیکلے بیکلے ہاتھوں سے چھونے لگی۔

"اس کا رواں رواں تمہاری عنایتوں اور فیاضیوں کے جال میں جکڑا ہوا ہے۔ تمہارے خلوص نے میری بے وفائی کے سیاہ داغوں کی پردہ پوشی کر دی۔ میں نے اسے دکھ اور ذلت دی۔ مگر تم نے اسے ماں کا پیار، بہن کی ہمدردی اور دوست کا خلوص دیا۔ تم نے اس کی ڈوبتی ناؤ کا پتوار بن کر اسے در در کی ٹھوکروں سے بچایا۔ تم نے روپے میرے نام سے بھیجے مگر وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ تم نے اپنے زیور بیچ کر۔۔۔؟"

"لعنت بھیجو" لعنت بھجو نامراد زیوروں پر۔" وہ تیزی سے پیالی میں چمچہ گھمانے لگی۔

"عاشق تو اس نے بہت دیکھے مگر تم جیسی عاشق کی مشفق اور مہربان بیوی سے زندگی میں پہلی بار پالا پڑا۔ وہ تم سے حد درجہ خائف ہے ماجد بڑی بے ساختگی سے مسکرا رہا تھا۔ مگر یہ دیکھ کر عابدہ کا دل بیٹھ گیا کہ اسکی آنکھوں میں بجائے تقدس کے تمسخر جھلک رہا تھا۔

"میں ۔۔۔میں ۔" وہ بے چین سی ہو گئی ۔

"تم چاہو تو میری قسمت کا پانسہ پلٹ سکتا ہے ۔ اگر تم اپنی ساری عنایتوں اور فیاضیوں کا واسطہ دے کر اسے حکم دے دو کہ وہ تمہارے پیارے شوہر پر رحم کرے ۔ ورنہ وہ مٹ جائے گا تباہ ہو جائے گا اور اس کا نامراد دل جو دراصل تمہارا دل ہے ٹوٹ کر چکنا چور ہو جائے گا ۔" ماجد نے نہایت ڈرامائی انداز میں سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا ۔

"میں تمہارا چہیتا محسن ، میں تمہارا ہوں ، میرا دل ، دماغ گردے ۔ پھیپھڑے تمہارے ہیں ۔ میرے حلق کا نوالہ تمہارے پیٹ میں پہنچتا ہے ۔ مجھے کھانا ہضم نہ ہو تو قے تمہیں ہوتی ہے ۔ میری شہ رگ کٹے تو خون تمہارا بہتا ہے ۔ تم ، تم ، تم میرا سب کچھ ہو ۔۔۔ اور میں صرف ایک واہمہ ہوں ، ایک جملہ معترضہ ہوں ۔"

عابدہ کے ہونٹ ہلے مگر آواز نہ نکلی ۔ وہ آنکھیں پھاڑے اسے تک رہی تھی ۔

"تم اگر میری سفارش کر دو ، تو وہ مجھے سینے سے لگا لے گی ۔ پھر میں تم سے اجازت لے کر اسے اپنی باہوں میں سمیٹ لوں گا اور تمہاری بہترین دعاؤں کے سائے میں اس کے ساتھ ۔۔۔۔"

"ماجد ۔۔۔۔ یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"تم نے میرے گناہ کو اپنے آنچل میں چھپا لیا ۔ میں جنم جنم تک تمہاری بخشی ہوئی نعمتوں کو نہیں جھٹلا سکتا ۔" اس کی سانس پھول گئی ۔

"ماجد تم بہت تھک گئے ہو ۔ ذرا ۔۔۔ وہ گھبرا کر اپنے دامن میں کچھ ڈھونڈ رہی تھی ۔

"میں آرام نہیں کروں گا ۔"

"سنو ماجد" ۔۔۔۔

"نہیں ، آج میرے پاس سننے کے لئے وقت نہیں ۔۔۔ آج تمہاری سننے کی باری ہے ۔"

"کہو ، جو جی میں آئے کہو ۔۔۔ میں سن رہی ہوں ۔" وہ اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی ۔

"تمہیں معلوم تھا میں کہاں گیا ہوں؟

"تم جب آفس سے نہیں لوٹے تو میں نے سوچا ۔۔۔"

"تمہیں یہ بھی معلوم تھا مجھے کیا جواب ملے گا ۔"

"میں ۔۔۔ میں نے ۔۔۔" وہ ادھر ادھر جواب تلاش کرنے لگی ۔

"تم تو غیب کا حال جانتی ہو۔ پھر تمہیں پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ ماجد تم۔۔۔" اس کا دامن خالی تھا وہ چور سی بن گئی۔

"کیونکہ تم بساط کا ایک ایک مہرہ چن کر مارنے کی قائل ہو۔"

"اللہ۔۔۔! " اس کے ہاتھوں میں کچھ نہ تھا۔

" اور یہ تمہارا آخری وار تھا۔ تم کئی دن سے مجھے اکسا رہی تھی۔ عورت کی فطرت میں چالبازی ہے۔ میں یہ گھسا پٹا جملہ دھرانا نہیں چاہتا نہ یہ میرا ایمان ہے۔ مگر بخدا عابدہ تم نے میرے ساتھ ایمانداری نہیں برتی۔"

" اس وقت تمہارے ہوش ٹھکانے نہیں، تھوڑی دیر ذرا سکون سے۔۔۔۔"

" سکون، سکون، سکون! مجھے اس لفظ سے گھن آتی ہے۔" اس کی کنپٹیوں پر موٹی موٹی رگیں ابھر آئیں۔ "سکون کا وقت گزر چکا۔ سارے مورچوں کی ناکہ بندی کر دی۔ آج میرا استعفےٰ منظور ہو گیا۔"

"مگر ابھی تو تم اور چھٹی لے سکتے تھے۔"

" ایسا معلوم ہوتا ہے میری مستقل چھٹی کا وقت دور نہیں۔" پھیپھڑوں میں جگہ کی کمی کی وجہ سے سانس بہت اتھل پتھل چل رہی ہے۔

" ماجد، میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" وہ بری طرح سسکنے لگی۔

" اب میں جینا بھی چاہوں تو نہیں جی سکتا۔" وہ بہکی بہکی نظروں سے در و دیوار کو تکنے لگا۔ "دل بستگی کے لئے کٹھ پتلی نہیں بن سکتا۔ تم تو خدا سے چاہتی ہو گی کہ میں اپاہج ہو جاؤں پھر تم ہی میرے ہاتھ پاؤں بن جاؤ۔ میری زبان بن جاؤ، اور میری جی بھر کے خدمت کرتی رہو۔"

" خدا نہ کرے۔۔۔ میں تمہارے پیر پکڑتی ہوں۔ اللہ۔" وہ سر سے پیر تک لرز گئی۔ " اور شاید میں نے بھی تم سے محبت نہیں کی۔ تمہیں دیکھ کر میں نے سوچا تمہارے بغیر میری زندگی ادھوری رہے گی، یہ محبت نہیں خود غرضی تھی۔ میں نے اپنی زندگی کی تکمیل کی خاطر تمہیں حاصل کیا۔ اور تم نے۔۔۔ تم نے بھی میری آوارہ گردیوں کے قصے سن کر مجھے حاصل کرنے کا عزم کیا تمہیں جنگلی کبوتر سدھارنے کا بہت شوق تھا، وحشی جانور تمہاری مٹھی سے دانہ کھانے لگتے تھے۔" الفاظ الجھ الجھ کر ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔

" یا اللہ۔۔۔ یا میرے اللہ۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔"

" نہیں۔۔۔ تم نہیں مرو گی۔ تمہارے سینے میں یوں ہی دھڑکن جاری رہے گی۔ میرے

بعد میرا دل بھی تو تمہارے ہی سینہ میں دھڑکنے لگے گا۔۔۔میں۔۔۔ میرا وجود سب تم نے سمیٹ لیا۔ اب یہ۔۔۔ کبھی نہ بکھر پائے گا۔۔۔ کبھی پستی میں نہ ڈوب سکے گا۔ تمہارے وجود کی بلندیوں کے ساتھ اونچا اور اونچا۔۔۔ میری پہنچ سے بہت اونچا۔۔۔ میری سانس تمہارے ہونٹوں پر سسکتی رہے گی۔ میری آنکھوں کی روشنی اب تمہاری آنکھوں میں جگمگائے گی"۔ ماجد کے منہ سے بے معنیٰ آوازیں پھسلنے لگیں انتہائی کرب سے آنکھیں ابل پڑیں چہرہ تپے ہوئے تانبے کی طرح انگارہ ہو گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ نوچنے لگا۔

اور عابدہ کے سنبھالتے سنبھالتے وہ اوندھے منہ آ رہا۔

فضا ایک دم سناٹے میں آ گئی۔ جیسے بمبئی کی روح قبض ہو گئی۔ عابدہ کے کان گنگ ہو گئے۔ کمرے کی تاریکی گاڑھی ہو گئی۔ اس نے بڑی مستعدی سے اسے سیدھا دیوان پر لٹایا۔ پھٹی ہوئی آنکھوں کو ٹھنڈی ہتھیلیوں سے موند دیا۔ بار بار کھل جانے والے جبڑے اپنے گلابی دوپٹے سے باندھ کر ہاتھ پہلو میں قرینے سے جما دیئے۔ پونی ٹیل سے ربن گھسیٹ کر اس نے پیروں کے انگوٹھے باندھ دیئے اور ایک فرمانبردار بچے کی طرح اسٹول پر بیٹھ گئی۔

ایک پل کے لئے ماجد کی نیم وا پتلیوں میں جنبش سی ہوئی۔ اس نے کنکھیوں سے عابدہ کو دیکھا، ہونٹوں پر مسکراہٹ کانپی۔ سینے میں ایک عظیم قہقہہ طوفان بن گیا۔۔۔ اور پھر دنیا ساکت ہو گئی۔

ماجد کی آخری نظر افسانے کہہ گئی۔

"تم کتنی سگھڑ ہو تم نے دم نکلنے سے پہلے ہی مجھے سنوار دیا۔ امید ہے دوسری دنیا میں بھی تمہاری دعاؤں نے میرے آرام کا پورا انتظام کر دیا ہو گا۔

عابدہ کی دونوں کلائیاں سہاگ کی چوڑیوں کے بوجھ سے تھک کر جھول گئیں اور وہ ٹوٹے ہوئے تارے کی طرح خلا میں ڈوبتی چلی گئی۔

گھنٹی بار بار بجے جا رہی تھی۔۔۔ یہ اس کا وہم تھا۔ یوں ہی گھنٹیاں بجنے لگتی تھیں۔ پڑوس کے شوہر دفتروں سے لوٹ رہے ہوں گے۔ اس کے فلیٹ کی گھنٹی اب زندگی میں کبھی نہ بجے گی۔ کوئی دروازہ کھلتے ہی اسے بانہوں میں اٹھا کر اس کے باسی ہونٹ کوئی نہیں چومے گا۔۔۔ کبھی نہیں چومے گا۔۔۔ وہ قبر میں لیٹی تھی۔ لوگ چھت تک لبالب بھرے ہوئے تھے۔۔۔ آنسو برس

رہے تھے۔۔۔ غم کی گھنگھور گھٹائیں جھوم رہی تھیں۔ دنیا بھرپور تھی مگر اس کی زندگی خالی تھی۔۔۔ کلائیاں پھول جیسی ہلکی ہو چکی تھیں۔ کوری ململ کے سفید دوپٹے میں لوبان اور کافور کی ڈراؤنی بو بسی ہوئی تھی۔

گھنٹی بیمار بچے کی طرح ٹھنک رہی تھی جیسے دور کسی اور دنیا میں اس نے بڑے سلیقے سے بکھرے ہوئے خواب سمیٹے اور الماری میں بند کردیئے ادھ بنا سوئیٹر اٹھا کر دراز میں ڈالا۔ پیر سے جوتے پلنگ کے نیچے سرکا دیئے اور چٹکی سے موزے اٹھا کر کونے میں ٹھونس دیئے۔

جب اس نے اپنا وہم مٹانے کے لئے دروازہ کھولا تو مونا ناامید ہو کر واپس لوٹ رہی تھی۔

کھنکاس کر وہ پلٹی۔ "ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔"

"ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔"

"اف، آپ کی بیٹی کتنی بھاری ہے۔" اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

"ہنومت، تمہارے منہ میں خاک۔ لاؤ ہمیں دے دو۔" اس نے بچی کو لے لیا۔

"پھر واپس نہیں لوں گی۔۔۔" وہ بناوٹی ہنسی ہنس کر بولی۔

"باتیں نہ بناؤ۔ کہاں کا پروگرام ہے؟" وہ بچی کو لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"پونا کی آخری ریس ہے۔ اس کے بعد دو دن کے لئے مہابلیشور کا ارادہ تھا، مگر یہ آپ کو بہت ستائے گی۔"

"ہمدردی کا شکریہ۔۔۔" سرن جی تو اچھے ہیں۔" اس نے بات ٹالنے کو کہا۔

"اچھے ہیں۔۔۔ اکتوبر میں ان کی ڈائیورس کے کیس کا فیصلہ ہو جائیگا۔"

"ہوں۔ چلو مبارک ہو۔"

"میں۔۔۔ کتنی کمینی ہوں۔ غرض پڑتی ہے تو اسے آپ کے سر تھوپ کے چل دیتی ہوں؟ اور اب تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟"

"فکر نہ کرو سب سمجھ میں آنے لگے گا۔ شادی کرسمس سے پہلے یا۔۔۔"

"نہیں، دیر کرنے سے کیا فائدہ۔ مرد ذات کا کیا ٹھکانہ، نہ جانے کب بدل جائے! ابھی تو لوہا گرم ہے، مگر یہ ہی سوچتی ہوں کہ۔۔۔ کہ۔۔۔"

عابدہ نے قطعی اس کی کوئی مدد نہ کی مگر اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ جو کچھ مونا کو کہنا ہے خود ہی کہنا ہو گا۔

"سرن جی کو بچے بالکل پسند نہیں ہیں۔"

عابدہ چپ رہی۔

"میرا جھگڑا بھی ہوا کئی دفعہ۔۔۔ مگر وہ خرچ دینے کو تیار ہیں۔"

"اس ننھی سی جان کا خرچ ہی کیا اور پھر کسی محتاج کی بیٹی نہیں۔" مونا کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔

"میں نے جب ہی دے دیا ہوتا تو آپ خوشی خوشی لے لیتیں۔"

عابدہ چپ رہی۔

"میں نے ضد کے مارے نہیں دیا۔ مگر مجھے کبھی چین نہ ملا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا میں چوری چوری کسی اور کا بچہ اٹھالائی ہوں۔"

عابدہ چپ رہی اور چھنگلیا سے صبیحہ کی مانگ کاڑھتی رہی۔

"آپ نے ایک بات نوٹ کی۔۔۔؟ مجھ سے زیادہ یہ آپ سے مشابہ ہے۔ کبھی تو مجھے بڑا غصہ آیا کرتا تھا۔ میں سوچتی تھی آپ جادوگرنی ہیں۔ آپ نے پیٹ میں ہی اسے مجھ سے چھیننا شروع کر دیا تھا۔"

عابدہ کچھ نہ بولی۔ صرف مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"مگر یہ میری بے وقوفی تھی۔ اصل میں خاندانی شباہت ہے۔ ماجد صاحب آپ کے فرسٹ کزن تھے نا۔"

عابدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کیا ایسا ہو سکتا ہے ایک عورت کا بچہ دوسرے کی کوکھ میں پلے مونا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔"

عابدہ کے ہونٹ پھر بھی نہ ہلے۔

"خدا کی طاقت سے کچھ بعید نہیں۔" مونا نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور بغیر پیچھے مڑ کر دیکھے باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد عابدہ نے سوئی ہوئی بیٹی کو اٹھا کر نرم نرم نیند میں ڈوبی ریشمی بانہوں کا ہار گلے میں سنبھال لیا۔ پھر پنجوں کے بل چلتی ہوئی اپنی خوابگاہ میں آئی۔

اس نے آہستہ سے بچی کو اس جگہ لٹا دیا جہاں کبھی ماجد سویا کرتے تھے۔ سونی سیج جاگ اٹھی۔۔۔ جمائی لیتی ہوئی وہ اپنی جگہ لیٹ گئی۔۔۔ تکیہ پر سر ٹکتے ہی وہ گہری نیند میں ڈوب گئی۔

ایسی غفلت کی پیاری پیاری بھری بھری نیند تو اسے برسوں سے نہیں آئی تھی۔

دیوار پر ٹنگی ہوئی ماجد کی تصویر کی کھلی ہوئی آنکھیں منتظر تھیں۔

ان میں نیند کہاں؟

باندی

کمرے کی نیم تاریک فضا میں ایسا محسوس ہوا جیسے ایک موہوم سا سایہ آہستہ آہستہ دبے پاؤں چھمن میاں کی مسہری کی طرف بڑھ رہا ہے۔

ابھی چند منٹ پہلے وہ "نقاب پوش" کا آخری باب پڑھ رہے تھے کہ جھپکی آ گئی اور کتاب سینے پر گر پڑی۔ دماغ میں مار دھاڑ چاقو خنجر سرسرا رہے تھے۔ ان کے ہمزاد نے انہیں جگا دیا۔ مارے دہشت کے چھمن میاں کی زبان تالو سے چمٹ گئی ان کا منہ کھلا، مگر الفاظ نہ نکلے۔ ہاتھ پیر سنسنانے لگے۔

بڑھتے بڑھتے سایہ ایک لمحہ کو لرزا۔۔۔ فضا میں پل بھر کو کوئی چیز کوندی دھیما سا چھناکا ہوا چھمن میاں کی پتلیوں کے آگے کالے پیلے دھبے تھر کنے لگے۔ باہر ہوا پراسرار طریقے پر شائیں شائیں پیڑوں سے الجھ رہی تھی۔ اوپر کی منزل کے کمرے کا پٹ شرابی کی طرح جھوم جھوم کر چوکھٹ پر سر پٹخ رہا تھا۔

سائے کا رخ چھمن میاں کی مسہری ہی کی طرف تھا۔ کھڑکی سے ایک شرمائی ہوئی چاندنی کی کرن سائے سے ٹکرا کر گم ہو گئی۔ پستول نہیں شاید حملہ آور کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ ہوا کا شور کھڑکیوں سے ٹکرا کر ایک دم چپ ہو گیا۔ فضا نے سانس روک لی اور چھمن میاں کے دل کی منہ زور دھڑکنیں دھائیں دھائیں ہتوڑے کی چوٹ کی طرح گونجنے لگیں۔

سر پر یا سینہ پر حملہ کا امکان نہیں، کیونکہ سایہ پیروں کی طرف سرک رہا ہے۔ دل کی قلابازیوں سے سہم کر چھمن میاں نے سوچا۔ اور پھر ان میں ہمت آ گئی۔ مرنا ہے تو مردوں کی طرح مریں گے چوہے کی موت مرنے والے کوئی اور ہوں گے۔

مگر سایہ پیروں کے پاس ٹھٹک گیا۔

چھمن میاں کے انگوٹھے اکڑنے لگے۔ کمبخت ان کے پیروں کو بیکار کرنے کے بعد رنجھا رنجھا کر مارے گا۔ سایہ پیروں پر جھکا۔ مگر اس سے پہلے کہ دشمن ان پر بھرپور وار کرتا انہوں نے پول جمپ قسم کی ایک زقند لگائی اور سیدھا ٹینٹوے پر ہاتھ ڈال دیا۔

"چیں" اس سائے نے ایک مری ہوئی آہ بھری اور چھمن میاں نے بلڈاگ کی طرح ایک جھرجھری لی اور غنیم کو قالین پر دے مارا۔

چوڑیوں اور جھانجھنوں کا ایک زبردست چھناکا کمرے کی خاموش فضا کو پاش پاش کر گیا۔ اور چھمن میاں کے دیوتا کوچ کر گئے۔ انہوں نے لپک کر بجلی جلائی۔ حملہ آور سٹ سے مسہری کے نیچے گھس گیا۔

"کون ہے بے تو؟ نکل بول۔۔۔۔۔ کون ہے۔" چھمن میاں نے مسہری کا ڈنڈا اکھیڑ کر نیچے جھانکا۔

"جی۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔ جی کوئی نہیں، میں ہوں جی۔" سوٹ کیس کے پاس سے ایک سکڑی ہوئی گٹھری نے جواب دیا۔ اور ذرا دور کھسک گئی۔

"میں کون"؟ چھمن میاں للکارے۔

"جی میں، علیمہ۔۔۔۔" چھوکری سوٹ کیس میں گھسنے کی ترکیبیں سوچ رہی تھی۔

"علیمہ؟ اوہ!" وہ ایک دم بھس سے قالین پر بیٹھ گئے۔ کوئی چور ڈاکو یا قاتل ہوتا تو یوں ہاتھ پیروں کی سکت جواب نہ دے جاتی۔ یہ پرانے سوٹ کیس سے چپکی ہوئی چھپکلی دیکھ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"یہاں کیا کر رہی ہے؟"

"جی کچھ نہیں۔"

"تجھے کس نے بھیجا تھا۔ خبردار جھوٹ بولی تو گدی سے زبان کھینچ لوں گا۔"

ایک دم بہت زور سے غصہ آنے لگا۔ "بتا تجھے یہاں کس نے بھیجا ہے؟"

"اون۔۔۔۔ نواب دلہن نے؟" علیمہ بانس دیکھ کر کانپی۔

"جھوٹی۔" چھمن میاں گرجے۔

"قرآن قسم میاں!"

چھمن میاں کو کمرہ گھومتا ہوا معلوم ہوا۔ وہ سر تھام کر سوچ میں ڈوب گئے۔

"اف پیاری امی اور ان کی جان کی دشمن!" ایک دم ان کا دماغ قلانچیں بھرنے لگا۔ کئی دن سے امی انہیں عجیب نظروں سے دیکھ کر نایاب بوبو سے کانا پھوسی کر رہی تھیں۔ نایاب بوبو ایک ڈائن ہے کمبخت۔ بھائی جان بھی بڑی گستاخ نظروں سے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ ان سب کی ملی بھگت معلوم ہوتی ہے۔

نوابوں کے خاندان میں کیا کچھ نہیں ہوا کرتا۔ چچا دادا نے کئی بار ابا حضور کو سنکھیا دلوانے کی کوشش کی۔ بدمعاش ان کی جان کو لاگا دیئے کہ جائداد پر قبضہ کر کے سب ہضم کر جائیں۔ رفاقت علی خاں کو ان کے سگے ماموں نے زہر دلوا دیا، خود ان کی چہیتی لونڈی کے ہاتھوں، لعنت ہے ایسی جائداد پر۔ ابا حضور زندگی سے بیزار ہو گئے۔ ہر دم کمر میں پستول رکھتے تھے۔

پیاری امی اپنی ساری جائداد بڑے صاحبزادے کو دینا چاہتی ہیں کہ اپنی بھتیجی بیاہ کر لائی ہیں نا اس لئے اس کی جان کی دشمن ہو رہی ہیں۔

چھمن میاں کو جائداد سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اسامیوں کی ٹھکائی کرنا انہیں گھر سے بے گھر کر کے جیسے تیسے لگان وصول کرنا ان کے ڈھور ڈنگر نیلام کروانا انہیں وحشت ہوتی تھی ان حرکتوں سے۔

چھمن میاں کے ہاتھ سے بانس چھوٹ پڑا! پیاری امی نے ان کو مارنے کے لئے اس چھپکلی کو کیوں بھیجا؟ نانا جان کا ہاتھی دانت کے دستے والا پستول لے کر خود آ جاتیں یا بھائی جان کو بھیج دیا ہوتا۔ ہنہ کیا چوہا سمجھا ہے اسے کہ لونڈی کو بھیج دیا۔ جا بھئی سلیپر سے پیٹ کر ختم کر دے۔

اف دنیا میں کسی کا بھروسہ نہیں۔ اپنی ماں اگر جان کی دشمن ہو جائے ویسے ہی ہر وقت ٹوکتی رہتی ہیں۔ یہ نہ کرو، وہ نہ کرو۔ اتنا نہ پڑھو اتنا نہ کھیلو، اتنا نہ جیو۔ ان کا بس چلتا تو اس کے حصے کی سانسیں بھی گن کے پکڑا دیتیں۔

"چاقو کہاں ہے؟" انہوں نے ایک دم کہنیوں کے بل جھک کر پوچھا۔

"چاقو؟" حلیمہ پانی بھری آنکھوں سے سوٹ کیس کے پیچھے سے جھانک کر دیکھ رہی تھی پھر پیچھے سرک گئی۔ "کاں ہے چاقو؟" اس نے اپنے سرد ہاتھ پھیلائے۔

"جھوٹی، ابیاتن"

"سچی سچی میاں۔

"چل، باہر نکل "

"نہیں میاں آپ ماریں گے۔" حلیمہ نے گردن ہلائی تو اس کی چاندی کی بجلیوں کے گھنگرو بج اٹھے "چل سیدھی طرح نکلتی ہے کہ۔"

"نہیں میاں۔

"تو کیا سمجھتی ہے، ہم تجھے مسہری کے نیچے نہیں مار سکتے، چل نکل۔" چھمن میاں نے بانس پھنکارا جیسے وہ کوئی چوہیا یا بلی تھی۔ حلیمہ سہمی سہمی نکل آئی۔

"ہینڈس اپ۔" چھمن میاں پھر جاسوسی ناولوں میں ڈوب گئے۔

"ایں؟" حلیمہ چکرائی۔

"الو کی پٹھی، ہاتھ اوپر۔"

حلیمہ نے ہاتھ اوپر اٹھائے تو اوڑھنی پھسل گئی۔ جھینپ کر اس نے ہاتھ دبوچ لئے۔

"پھر وہی بدمعاشی، ہم کہتے ہیں ہاتھ اوپر۔"

"اوں کائیکو؟" وہ الھلائی۔

"کائیکو کی بچی۔ چاقو کہاں ہے؟"

"کیسا چاقو؟" حلیمہ چڑ گئی۔

"تو پھر کیا تھا تیرے ہاتھ میں۔؟

"کچھ بھی نہیں اللہ قسم کچھ بھی نہیں تھا۔"

"تو پھر۔۔۔ پھر کیوں آئی ہے چل بھاگ۔"

حلیمہ سر جھکائے کھڑی رہی۔

"ارے، جاتی ہے کہ۔۔۔ مار کھائے گی۔"

"نواب دلہن، انہوں نے بھیجا ہے" حلیمہ نے دبی زبان سے کہا اور آنکھیں جھکا کر اپنی نتھنی کا موتی گھمانے لگی۔

"کیوں؟" چھمن میاں سہم گئے۔

"آپ کے پیر دبانے کے لئے۔" وہ مسہری سے ٹک گئی۔

"لاحول ولاقوۃ۔" چھمن دھم سے مسہری پر گر گئے۔ ہاتھ پیر کانپنے لگے، ہونٹوں پر پسینہ پھوٹ نکلا۔

"چل بھاگ یہاں سے۔" انہوں نے حلیمہ کی شریر آنکھوں سے گھبرا کر کہا۔ حلیمہ نے سنی ان سنی کر دی اور ان کی پنڈلیاں تھام لیں۔

"دور ہو کمبخت!" جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا وہ اچھل کر مسہری پر چڑھ گئے۔ حلیمہ کا منہ پھٹا کا پھٹا رہ گیا۔

"ہم۔۔۔ ہمارے پیروں میں بالکل درد نہیں، جاؤ بھاگ جاؤ۔"

حلیمہ گم سم ٹکٹکی باندھے قالین کو گھورتی رہی۔

"جاؤ بھئی، خدا کے لئے جاؤ، ہمیں نیند آ رہی ہے۔"

علیمہ کا چہرہ بسک گیا، ہونٹ کانپے اور وہ قالین پر گھٹنوں میں سر دے کر پھوٹ پڑی۔

"اوہو، رو کیوں رہی ہے۔ بیوقوف گدھی کہیں کی۔"

مگر علیمہ اور رونے لگی۔

"علیمہ، پلیز علیمہ ۔۔۔ خدا کے لئے رو مت اور جا ۔۔۔ ہمیں صبح کالج ذرا جلدی جانا ہے۔

علیمہ پھر بھی روئے گئی۔

دس برس ہوئے تب بھی علیمہ اسی طرح روئے جا رہی تھی۔ اس کا باپ اوندھے منہ لیٹا تھا اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ مگر وہ خون بہت لال تھا اس میں گلابی گلابی گوشت کے ٹکڑے سے ملے ہوئے تھے، جو بار بار روز بلغم کے ساتھ اگلا کرتا تھا۔

ابا خون کو سجدہ کر رہے تھے اور اماں اسے کلیجے سے لگائے جھوم جھوم کر بین کر رہی تھی۔

پھر سب نے ابا کو سفید کپڑوں میں لپیٹا اور ہسپتال لے گئے لوگ ہسپتال جا کر پھر نہیں لوٹا کرتے۔

اور اس دن بھی وہ اسی طرح روئے جا رہی تھی جس دن اس کی اماں نے اسے نواب دلہن کی پٹی تلے ڈال کر اناج سے جھولی بھر لی تھی اور جاتے وقت پلٹ کر بھی نہ دیکھا تھا۔

چھمن میاں کی انا انہیں لئے پاس ہی کھڑی تھی۔ علیمہ کو روتے دیکھ کر وہ بھی ہول کے مارے رونے لگے تھے۔ ایسی زور زور سے چنگھاڑ کر روئے تھے کہ علیمہ سہم کر چپ ہو گئی تھی اور انہیں ٹکر ٹکر دیکھتی رہ گئی تھی۔ مگر چھمن میاں کی چیخیں بند نہیں ہوتی تھیں۔ ان کی نظر اتاری گئی ڈاکٹر حکیم دوڑے آئے صدقہ اتار کے کلیجے کھلائے گئے مگر انہیں رات کو بخار چڑھ آیا۔

غلام گردش کے احاطے میں علیمہ جھوٹن کھا کر پلتی رہی۔ اسے نواب دلہن کے دالان در دالان تک رینگ کر آنے کی اجازت نہ تھی گندگی اور غلاظت میں وہ مرغیوں اور کتے کے پلوں کے ساتھ کھیل کود کر بڑی ہوئی۔

اس کے ساتھ جو دوسری چھوکری آ گئی تھی وہ تو سوکھے کے آزار میں ختم ہو گئی۔ ایک لڑکا لائی نواب کمن ہبہ کر لے گئے۔ بڑے ناز نخروں سے پالا جان چھڑکتے تھے نگوڑے پر مگر وہ خدائی خوار ان کی پونجی کوٹ کر کلکتہ بھاگ گیا۔

بے حیا بوٹی علیمہ جی گئی۔ نایاب بوبو کا دس برس کا لونڈا کیا دھواں دھواں موئی کو پیٹا کرتا تھا۔ کبھی چمٹے سے پیر داغ دیتا۔ کبھی آنکھوں میں نارنگی کا چھلکا نچوڑ دیتا اور کبھی خالہ کی نسوار کی چٹکی

ناک میں چڑھا دیتا۔ حلیمہ گھٹنوں بیٹھی بینڈ کی طرح چھینکیں مارا کرتی۔ سارا گھر ہنس ہنس کے دیوانہ ہو جاتا۔

اب بھی ستانے سے باز نہیں آتا تھا۔ ڈیوڑھی پر کچھ دینے گئی چٹکی بھر لی، ننھی پکڑ کے ہلا دی کبھی چوٹی کھینچ لی۔ بڑی چلتی رقم تھا۔ نواب صاحب کا بچ تھا نا۔ ان کا بڑا منہ چڑھا تھا۔

بوبو کسی زمانے میں بڑی دھار دار تھیں۔ نواب صاحب ان پر بری طرح لٹو ہو گئے تھے۔ وقتاً فوقتاً نکاح کی دھمکیاں بھی دیدیا کرتے تھے۔ مگر وہ ایک کھاگ تھیں۔ پشتینی لونڈی تھیں انہوں نے بڑی بڑی بیگمیں دیکھی تھیں انہیں بیگم بننے کا قطعی ارمان نہ تھا۔ باندی کا نکاح ہو جائے چاہے نہ ہو، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کوئی سرخاب کے پر نہیں لگ جاتے سارے خان کے نکتوڑے سہو، جوتیوں پہ ناک رگڑ رگڑ خاندانی نوابزادیاں مر جائیں گی، ساتھ نہ بیٹھائیں گی۔ قاضی کے دو بولوں میں اتنا دم درود نہیں کہ چٹانوں میں سوراخ کر دیں۔ یا دال روٹی کے سوال کو حل کریں۔

نایاب بوبو کے محل میں بڑے ٹھاٹ تھے۔ بجائے بیگم کی سوت بننے کے وہ نہایت جانفشانی سے کوشش کر کے ان کی مشیر خاص اور گوئیاں بن گئیں اور نواب صاحب پر کچھ ایسا جادو کا ڈنڈا گھمایا تھا کہ انہوں نے جبار کے نام معقول اراضی اور باغات کر دیئے تھے۔ سارے نوکر اس سے لرزتے تھے، بوسکی کی قمیص اور ولایتی پتلون چڑھائے اسنوڈی بیکر میں ڈٹا پھرتا تھا۔ نام کو ڈرائیور تھا۔ مگر رعب سب پر جماتا تھا۔ اندر بوبو اور باہر جبار، جو نصیبوں کا مارا ان دو پاٹوں کے بیچ آ جاتا ثابت بچ کر نہ جاتا۔

حلیمہ روئے چلی جا رہی تھی۔

چمن نے ڈانٹا تو ریزہ ریزہ ہو گئی، تھک کر چمکارا تو بالکل ہی بہہ گئی، اس کے سرد ہاتھ پکڑ کر فرش سے اٹھایا تو ٹوٹ کر ان کے سینے سے لگ گئی۔

اللہ ! جاڑوں کی ہوش ربا راتیں، طوفان کی گھن گرج اور چمن کے ناتجربہ کار ہاتھوں میں بکھری ہوئی حلیمہ !

یار لوگوں نے لونڈیوں کو ٹھکانے لگانے کے کتنے گر بتائے تھے، مگر حماقت کہیئے یا پھوٹے نصیب چمن نے ہمیشہ لغویات کہہ کر سنی ان سنی کر دی۔ اپنی کورس کی کتابوں اور کرکٹ کے علاوہ ان کی کسی بھی شے سے گہری شناسائی نہ تھی۔ کڑکڑاتے جاڑوں میں روئے کی ڈلی حلیمہ نے انہیں جھلس کر رکھ دیا۔ ہاتھ جیسے سریش کی تھالی میں چپک گئے۔

پھر نہ جانے دماغ کے کس کونے میں نشتر سا لگا، اچھل کر دور کھڑے ہوئے۔ غصہ سے تھر

تھر کانپنے لگے۔ حلیمہ سسک کر رو پڑی تو پھٹ پڑے۔

"چپ سؤر، خبردار جو روئی، تو۔۔۔۔ تو" ہاتھوں کو سزا دینے کے لئے انہوں نے انگلیاں توڑ ڈالیں۔ حلیمہ ایک دم سانس روک کر چپ ہو گئی۔

چھمن میاں کانپتی ٹانگوں سے اس سے دور ہوتے کمرے کے چکر کاٹنے لگے کوئی دو ڈیڑھ میل چلنے کے بعد پتہ چلا وہی کمرہ ہے وہی بے رحم رات اور حلیمہ کی سسکیاں بڑے پیار سے سمجھانے لگے۔

بڑی بری بات ہے حلیمہ تو بچہ نہیں ہے اب ایسے لڑکوں کے کمرے میں رات کو نہیں جانا چاہیئے۔

باہر طوفان رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اور حلیمہ کی سسکیاں طلاطم برپا کئے دے رہی تھیں۔

"صراحی۔ میری صراحی۔" حلیمہ رو رہی تھی۔ جبار بھائی نے میری صراحی توڑ دی۔ تب چھمن میاں نے پوری شدت سے۔ جبار کا منہ چڑایا تھا اور اپنی ننھی منی سی صراحی حلیمہ کو پکڑا دی تھی۔

"تو حلیمہ رو نہیں۔" مگر نایاب بو بو نے چھوٹے میاں کی صراحی چرانے کے جرم میں حلیمہ کی چوٹی اپنی ادوائن سے باندھ کر بیٹھا دیا تھا۔ کتنی ذرا سی چوہے کی دم جیسی چوٹی تھی نگوڑی کی کہ حلیمہ کا سر پائے سے لگ گیا تھا۔ سب کتنا ہنستے تھے۔ چھمن میاں کو بھی ہنسی آ گئی تھی۔ مگر جب حلیمہ کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو محل کی ڈھیروں صراحیاں غصہ میں آ کر توڑ ڈالیں اور باہر بھاگ گئے تھے

"حلیمہ مت رو پلیز! ، وہ تنگ آ کر اس کے سامنے اکڑوں بیٹھ گئے۔ جی چاہا اس کے سینے پر سر رکھ کر دہاڑیں مار مار کر رو دیں۔ مگر ڈر تھا۔ پھر سر وہاں سے اٹھنے کا نام نہ لے گا۔ اپنے کرتے کے دامن سے اس کے آنسو پونچھے، اسے اٹھایا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتی باہر دھکیل کر کنڈی اندر سے چڑھا لی۔

پھر پلنگ پر گر کر تکئے میں منہ چھپا کر ہچکیوں سے رونے لگے۔

"اللہ پاک اللہ پاک" وہ دو زانوں بیٹھ کر جھومنے لگے۔ جلدی جلدی آیۃ الکرسی کا ورد کیا، ذرا جی ٹھیرا۔

نیند تو حلیمہ کے آنسو بہالے گئے تھے۔ صبح تک چھمن میاں لحاف میں پڑے کانپتے رہے لرزتے رہے۔ اور زہر میں بجھے آنسو بہاتے رہے۔

باہر جھنجلائی ہوئی ہوا بگولہ کر پیڑوں سے لڑتی رہی الجھتی رہی کراہتی رہی۔

چونک کر نواب صاحب نے آنکھیں کھول دیں جیسے گہری نیند سے انہیں کسی نے جھنجھوڑ کر جگا دیا ہو۔ فوراً ان کی نگاہیں اپنے پہلو کے خالی تکیے پر جم گئیں انہیں اس خالی جگہ سے کتنا ڈر لگتا تھا جیسے وہ قرنوں سے اکیلے ہوں اور اب ان کے پاس کوئی نہیں لیٹے گا۔ دور ہوا قہقہہ لگاتی دروازوں سے خرمستیاں کر رہی تھی، بالکل گل بہار کی طرح جو عمر یت جو شروع ہوتے ہی بہار بن کر ساری خشک ڈالیوں پر عشق پیچاں کی سرسبز بیل کی طرح لپٹ گئی تھی۔ ٹنڈ منڈ درخت ایکدم سدا بہار بن کر جھوم اٹھا تھا۔

چالیس برس پہلے جب یہ جسم عشق پیچاں کی بیل کا مرہون منت نہ تھا ایک سایہ ان کے قدموں پر منڈلایا تھا۔ نایاب کو صاحبزادے کے پیر دبانے کے لئے خوابگاہ میں بھیجا گیا تھا۔ اس کانپتے لرزتے ٹھنڈے سائے کو نواب صاحب نے اپنے دہکتے ہوئے سینے سے لگایا تھا نایاب بوبو اس وقت واقعی نایاب تھیں۔ ایسی بھاری بھرکم اور ٹھوس نہیں تھیں۔ نرم و نازک انوکھی سی کونپل تھیں۔ جنہیں پاکر نواب دوست احباب چوسر جیسی سب بھلا بیٹھے تھے۔ اگر دادا جان نے گردن پر چھری نہ رکھدی ہوتی تو وہ کبھی حامدہ بانو کو بیاہ کر نہ لاتے۔

"چلو نایاب بھاگ چلیں، قاضی کے ہاں نکاح پڑھوا کر بسنتی باغ چلے چلیں گے۔" انہوں نے کانپتی ہوئی نایاب کو چھاتی سے لگا کر کہا تھا۔

"بسنتی باغ، میری سرکار؟" نایاب نے پل بھر کے لئے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔ "یا نانپارے خالہ کے ہاں۔"

"قربان جاؤں بھولے نواب، نانپارے والی کی بڑی نواب سے ناچاقی ہے تو کیا ہوا میرے نوشہ آج لڑائی ہے تو کل میل ہو سکتا ہے۔ خون کا رشتہ کھیل نہیں۔ آپ کے اوپر تو سارا جھگڑا ہے۔ فہمیدہ بانو کے لئے آپ کو مانگتی ہیں۔"

"کون وہ بھینگی فہمیدہ؟ لاحول ولا قوۃ!" نواب بگڑا لے تھے۔

"وہ بھینگی بھی کچھ ایسی نہیں، پھر نواب زادی ہیں، اسی لاکھ کا زیور اور ان کے لئے لڑکا ملنا مشکل ہے دو بھر تو نہیں، اللہ نے چاہا اٹھ جائیں گی۔ مگر بڑی نواب اپنے بھائی کو زبان دے چکی ہیں اس لئے وہ براہ راست آپ سے چاد چوچلے کرتی ہیں۔ لونڈی نے عمر آپ ہی لوگوں کے قدموں میں گزاری ہے، اللہ نے تھوڑی بہت عقل بھی دی ہے، لونڈی سے نکاح کر کے کہاں سر چھپائیں گے، سرکار فوراً عاق کر دیں گے۔ نانپارے والی آپ کو سر آنکھوں پر لیں گی مگر داماد بنا کر۔"

"نایاب میں زہر کھالوں گا۔" نواب نے ان کے سینے میں منہ چھپا کر قسم کھائی تھی۔

"زہر کھائیں آپ کے دشمن۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ جم جم شادی کیجیے، چاند سی دلہن لائیے۔"

"ہماری دلہن تو تم ہو۔"

"ہاں میرے نوشہ، آپ کی کنیز کو آپ کے قدموں سے کون دور کر سکتا ہے؟" انہوں نے فرحت سے نواب کے پیر اپنے پیٹ سے لگائے تھے۔ اس وقت تک جبار نے پیٹ میں حرکت نہ کی تھی اس لئے نواب کو معلوم بھی نہ ہوا کہ ان کا پہلا پھل ان کے قدموں میں دھڑک رہا ہے۔

شادی کے بعد کی قسمیں یاد رہتی ہیں۔ نایاب دولہا دلہن کی سیج اپنے ہاتھوں سے سنوارتیں۔ نئی دلہن کو بس اتنی شکایت تھی کہ نایاب شبنم میں بھیگے پھول سیج پر بچھا دیتی ہیں۔ جس سے ان کے اطلس کے جوڑے میں داغ پڑ جاتے ہیں۔

تب نایاب اپنے میلے دوپٹے میں اپنے آنسو جذب کر لیتیں۔

جبار پیدا ہوا تو نواب فرحت شکار کو گئے ہوئے تھے جو نشانہ مارتے خالی جاتا تڑپ کے کھسیانے محل میں ہوتے مہری نے چپکے سے کان میں بیٹے کی پیدائش کی خوش خبری پھونک دی۔ ذرا ڈھارس بندھی، چلو، ایک نشانہ تو ٹھیک بیٹھا۔

بڑی نواب منہ پھلائے بیٹھی تھیں۔ قطامہ نایاب نے انہیں جھانسہ دیدیا۔ دن چھپا گئی۔ وہ تو گاؤں ڈلوادیتی تھیں دن لونڈیوں باندیوں کو جاپے کے وقت۔ ان کا جی دہلتا ہے وہ تو طوفان اٹھا لیتی تھیں اگر کوئی کتیا، بلی بھولے سے کسی کونے کھدرے میں بچے ڈال دیتی۔ نایاب نے جب سر آگیا تب چپکے سے مہری کو کہا کہ دائی بلوائی جائے۔ دائی نگوڑی بھی ٹوٹی کمر کی وقت سے نہ پہنچی اور مہری نے ہی نایاب اور بچے کو سمیٹا۔

اصیل کتیا کے بچے ہوتے تھے تب بھی اس سے زیادہ دھوم دھڑکا ہوتا تھا۔ جبار کی پیدائش کی تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

جب حمیدہ نواب کے پیٹ میں بڑی صاحبزادی آئیں تو ایسا جی بے قابو ہوا کہ نواب صاحب کی طبیعت مکدر ہو گئی۔ اتفاق سے انہیں دنوں کمن نواب کے بیٹے کے ختنوں کی خوشی میں نواب کی جان پہچان منور سے ہو گئی۔ تھی تو سانولی، پر پور پور دھامن سی زہریلی تھی کہ اس کا ڈسہ پانی نہ مانگتا۔ نواب فرحت کو چوپٹ کر دیا۔ اسے مرغ لڑانے کا شوق، اسے گھوڑ سواری کا جنوں، اور دوستی ایسے ایسوں سے کہ بات بات پر چھریاں تمنچے نکل پڑتے۔ بہت رلایا بیچارے نواب کو، پھر ست پال کے ساتھ فرانس

چلی گئی۔ اس کے غم میں بیچارے چاروں خانے چت ہو گئے۔ حمیدہ بانو کی کیا بساط تھی، لونڈیا جن کے دیسے ہی ادھوری ہو رہی تھیں، نایاب نے ہی مورچہ سنبھالا۔ جب ذرا دم درود آیا تو بیگم کو سونپ دیا۔ بیگم ان کی ممنون تھیں کوئی اور حرامخور ہوتی تو ہضم کر جاتی نواب فرحت کو اور ڈکار بھی نہ لیتی۔ مگر نایاب پشتینی لونڈی تھیں۔ غلامی ان کے خون میں رچی ہوئی تھی۔

جب بیگم میکے جاتیں یا ماندی ہوتیں تو نایاب ہی ان کی عیوضی بھگتاتیں۔ جبار کو انہوں نے بڑی بیگم کے ہاتھ پیر جوڑ کر گاؤں جانے سے روک دیا تھا۔ انہیں بچوں کی چلی پون سے خفقان ہوتا تھا۔ باندیاں خدمت گذاری کریں گی کہ اپنے بچوں کے لاڈ لڈائیں گی۔ پھر بچہ آنکھ سے دور ہی بھلا۔ بھونند ہیں نواب فرحت۔

نایاب بچے کو باپ کی گود میں ڈال دیتیں تو ایسا لگتا باندی نہیں بیاہتا ہیں ایسے لمحے پلک جھپکتے میں بیت جاتے۔ بیگم ڈیوٹی پر آ جاتیں، یہ بھی فوراً بیچ سے اتر کے لوٹا سلفچی سنبھال لیتیں۔

دوسری بھی بیٹی ہی ہوئی تو حامدہ بانو کا راج سنگھاسن ڈولنے لگا۔ نئی شادی کی تجویزیں ہونے لگیں۔ نایاب بے چین ہو گئیں۔ کیا پتہ دوسری کیسی آئے، یہ تو تھیں بھی اللہ میاں کی گائے، ساری حکومت بڑی نواب کے انتقال کے بعد انہیں کی تھی حمیدہ نواب کو تو اپنے نزلے سے ہی چھٹی نہ تھی۔ نواب کا دل ان پر کبھی آیا ہی نہ تھا جو کہیں جاتا۔ منور ایسی گہری حجامت کر گئی تھی کہ ابھی تک مہاجن کا قرضہ چل رہا تھا۔

جوڑ توڑ کرتی رہیں، اور اللہ نے سن لی۔ حشمت میاں کی پیدائش پر واقعی نواب کے دم میں دم آیا۔ وہ جلسے اور جشن ہوئے کہ لوگ اب تک نہیں بھولے مگر یہ گل بہار تو بس نواب فرحت کو پچھلے سال ہی لگی تھی۔

ان کے جگری دوست احمد یار گل بہار کو بطور امانت سونپ گئے تھے کہ ان کی اپنی بیگم انہیں بیدخل کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ باوجود کمسن کے گل بہار گھاٹ گھاٹ کا پانی پئے ہوئے تھی ایک تو رنڈی کے پیٹ سے تھی، پھر باپ ہسپانوی تھا کہ اٹالین تھا کوئی بہت آزار تر چھا۔ کریلا اور نیم چڑھا۔ نواب فرحت کو تگنی کا ناچ نچا رہی تھی۔ احمد یار خان سے چھ ہزار میں اس کا سودا نواب نے پٹا لیا اور سر سے کفن باندھ کر بیٹھ گئے۔

شروع شروع میں تو اطلس و کمخواب کے تھان اور زیورات کے ڈبوں سے بہلی رہی۔ یاقوت کے بندے اور جڑاؤ دست بند سے کام چل جاتا، پھر ہیرے کی کیل اور نورتن کے گلوبند کے بھی بس کی نہ رہی۔

قبلہ حکیم صاحب بھی بوکھلا اٹھے بڑی شدومد سے شاہی نسخے ٹھپ ہونے لگے۔۔۔۔۔ دنیا کے عیش میسر تھے نہ جانے مردار پر کیا بھوت سوار ہو جاتا ان دنوں بے طرح دولتیاں جھاڑ رہی تھی۔ شام ہوئی اور موٹر کی سیر۔ نواب سے اس کے آنسو نہ دیکھے جاتے۔

اور آج تو نواب فرحت کا خون کھول رہا تھا، آج آنسو کے بجائے وہ اپنی پتلیاں بھی نکال کر ان کے تلوں مل دے تو حرامزادی کو نہ بخشیں گے۔ غصہ سے بے قابو ہو کر وہ پہلو میں پڑے خالی تکیہ پر کس کس کے مکے مار رہے تھے۔

ایک دم ان کے ہاتھ یخ ہو گئے اور ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ جب سے گل بہار کی لت لگی تھی۔ یہ ٹھنڈے پسینے جی کا روگ بن گئے تھے۔

"سرکار اللہ کی طرف لو لگائیے، اس عمر میں اعتدال چاہیئے طب کے اصول یہی کہتے ہیں۔ صحت بھی اچھی اور عاقبت بھی درست! قبلہ حکیم صاحب کئی بار دبی زبان سے عرض کر چکے تھے۔"

مگر نواب فرحت ایک دم لال بھبو کا ہو اٹھتے اور سختی سے حکم دیتے کہ اگر حکیم صاحب مغرور ہیں تو دنیا میں دوسرے حکیم ڈاکٹر بھی ہیں کمن نواب کے نئے ڈاکٹر صاحب کا علاج شروع کیا تھا۔

ایک سایہ سا سرہانے منڈلایا، نواب نے آستین سے ماتھے کا پسینہ پونچھ کر گل بہار کی طرف دیکھا۔

"کہاں گئی تھی حرامزادی؟" وہ چوٹ کھائے عاشق کی طرح پھنکارے۔ اوں، جاتی کہاں، چولہے میں، ذرا چوکی پر گئی تھی۔ "گل بہار ٹھنکی۔

"چوکی کی بچی، یار کے پاس گئی تھی۔" اور انہوں نے دانت پیس کر اس کی کلائی مروڑی۔

"اچھا جی گئی تھی، تو مار دیجئے گولی، نکالئے۔" اس نے جھرے لکھنؤ چکن کے کرتے کا گریبان پھاڑ ڈالا۔ نواب صاحب کے پسینے چھوٹنے لگے۔

"مار ہی دیجئے نا روز روز کی دردسری سے پیچھا چھوٹے، ہر دفت شبہ ہر گھڑی شک، مر جاؤں اللہ کرے میں تو، اس کی قبر میں کیڑے پڑیں نامراد احمد یار کا بچہ مجھے کس جہنم میں جھونک گیا۔" وہ زمین پر گر کر لوٹنے لگی۔

"اچھا اٹھو اب۔" وہ پگھل گئے۔ مگر گل بہار اور بکھرنے لگی۔ اور آہیں بھرنے لگی۔

"اللہ پاک موت دیدے، ایسی زندگی سے تو موت اچھی۔"

"لے بس اب اٹھو نا۔"

گل بہار کو اپنی سدھ نہ رہی۔ جتنا نواب سمیٹتے وہ بکھرتی ہی جاتی۔

"اچھا بس معاف کر دو بابا غلطی ہوئی۔" اس کی لوٹ پوٹ نے نواب کو پگھلا ڈالا۔ "آؤ اوپر آ جاؤ

فرش پر سردی لگ جائے گی۔" وہ ان سے اٹھ بھی تو نہیں رہی تھی۔ سنڈ منڈ۔

"اچھا ہے مر جاؤں، میری میت اٹھے، پھر خوش ہو جائیے گا۔" بڑی ناک رگڑوائی تب لحاف میں آنے پر رضامند ہوئی۔

"آج تم نے پھر پی ہے۔" نواب نے سستی شراب کے بھبکے سے سہم کر کہا۔

"واہ کہاں پی ہے۔ آپ کے سر کی قسم ایک بوند نہیں پی، لیجئے منہ، سونگھ لیجئے۔" وہ موتیوں بھری گلے سے ہنسی۔

نواب فرحت منہ سونگھنے جھکے تو پھر نہ اٹھ سکے۔

نایاب بوبو نے سلام پھیرا اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ جائے نماز کا کونہ پلٹ کر وہ اٹھیں اور ہولے سے دروازہ کھول کر جبار کے کمرے میں جھانکا۔ بیٹے کے دجیہہ جسم کو دیکھ کر مامتا سے ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

دبے پاؤں وہ اندر گئیں۔ وہ شغل روز کچھ نہ کچھ نشانیاں چھوڑ جاتی تھی۔ آج بھی لحاف میں سے دوپٹہ لٹک رہا تھا۔ رساں رساں انہوں نے دوپٹہ کھینچا۔ یہ نامراد کسی دن ناک چوٹی کٹوائے گی۔ اللہ نظر بد سے بچائے ہو بہو باپ کا ناک نقشہ ہے۔ وہی بھاری بھاری نشیلی آنکھیں گداز ہونٹ چوڑا جبڑہ بیگم سے جو دو لڑکے ہوئے وہ بالکل سینک سلائی ننھیال پر گئے تھے، فرحت نواب۔ نے بیوی کو کبھی یوں ٹوٹ کر نہیں چاہا۔

ایک فکر میں وہ گھلی جا رہی تھی۔ باپ کی لونڈی ماں برابر ہوئی کہ نہیں؟ فتویٰ لے لیا جائے عالم صاحب سے تو جی کا ہول کم ہو۔ یہ کیا کہ دنیا تو گئی عقبے میں بھی انگارے ہی انگارے۔ نہ نگوڑی گل بہار کا بھی کیا قصور، کہاں وہ بواسیر کے مارے کھوسٹ اور کہاں یہ کڑیل جوان۔ رات کیا چھکی پھکی رودتی تھی۔ کواڑ بھیڑنے کا بھی ہوش نہیں اس لڑکے کو بوبو کی نیند کچی نہ ہو تو نہ جانے کس کی نظر ہی پڑ جائے اللہ پاک سب کار کھوالا ہے۔

انہوں نے اسے پالا بھی نواب زادوں کی طرح تھا۔ بڑے اصیل بنتے تھے۔ بڑے میں تو خیر ذرا دم درود تھا بھی مگر چھمن تو دو کوڑی کے نہیں نکلیں گے

نواب زادوں جیسی اٹھان ہے نہ آن بان۔ جبار کے لئے انہوں نے باقاعدہ باندیاں خریدیں، ایک جاپے میں جاتی رہی، دوسری مہتر کے لونڈے کے ساتھ نکل گئی۔ اس حرافہ گل بہار نے جی کا چین اڑا دیا تھا۔ شریف گھرانوں کی باندیاں ایسی اچھال چھکا نہیں ہوتیں، احمد یار خاں ہیں نہ رنڈی کے جنے بڑے نواب بننے چلے ہیں، نہ جانے یہ منہ زور سانڈنی کہاں سے پکڑ لائے۔

کئی بار چاہا کہ بیگم سے حلیمہ کو مانگ لیں مگر ہمت نہ پڑی۔
"نہیں حلیمہ تو میرے چمن کے لئے ہے۔" بیگم کو ضد ہے۔ آج ان کی ضد پوری ہوگی ویسے جبار کو مسسی لونڈیاں پسند بھی نہیں۔ باپ کی طرح تیتیا مرچ چاہیئے۔

حرامخوریں بغیر جگائے کیا مجال ہے جو ان کی میت اٹھے۔" بڑبڑاتی ہوئی بوبو باندیوں کے کوٹھے میں پہنچیں تو ان کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔
حلیمہ سرودری کی رضائی میں دبکی پڑی تھی۔ سلیپر کی نوک سے انہوں نے حلیمہ کے جھانجن میں ٹھوکر ماری۔ اور رضائی کا کونا پکڑ کر کھینچ لیا۔
حلیمہ گھبرا کر جاگ پڑی اور غافل سوئی ہوئی سرودری کے نیچے سے اپنا دوپٹہ کھینچنے لگی۔ حرامخور سرودری کو کتنی دفعہ منع کیا کہ ڈھیلے پائنچوں کا پاجامہ پہن کر نہ سویا کر سارا چھاتی پر چڑھ جاتا ہے۔ اس کی موسل سی ٹانگوں پر سردی لگی تو وہ بھی جھرجھری لے کر جاگ پڑی۔ مرزئی پہن کی آپ گرے میں کوئلے ڈالنے چلدی۔
بوبو کی چیل جیسی آنکھیں حلیمہ کے جسم پر ٹانکے بھرنے لگیں۔ حلیمہ چوروں کی طرح سر جھکائے میلی توشک میں لگے ٹانکے گننے لگی۔
"ہوں! بوبو نے کمر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "میں نے کیا کہا تھا تجھ سے۔"
"جی بوبو۔"
"تو؟"
حلیمہ چپ رہی۔
"اری نیک بخت منہ سے تو کچھ پھوٹ، کیا بولے؟"
"پیروں میں درد نہیں" حلیمہ کا سر اور جھک گیا۔
"ہوں۔" بوبو تسبیح گھماتی ہوئی مڑ گئیں۔ دل میں آپ ہی آپ کلیاں کھلنے لگیں۔ "خیر سے دوسرے صاحبزادے بھی اللہ کو پیارے ہوئے۔" بس اب تو نواب فرحت کا نام چلانے والا جبار رہ گیا ! خدا کی شان ہے۔ بڑے صاحبزادے کا بھی کوئی قصور نہ تھا۔ نگوڑی صنوبرا تنی ہی عمر لے کر آئی تھی۔ مشکل سے چودھواں سال لگا ہو گا کہ صاحبزادے کو پیش کر دی گئی۔ کیا پھول سی بچی تھی ہمیشہ کی دھان پان کسی بانجھ کے گھر ہوتی تو پلکوں کی چھاؤں میں پروان چڑھتی۔ ماں باپ کا پیار ملتا، ایک دن بابل کا گھر چھوڑ شہنائیوں کے رسیلے سر کانوں میں بسائے سسرال سدھار جاتی۔ جہاں دو دل ملتے، ایک گھر

بننا ایک دنیا بستی۔

صنوبر کو بچپن سے ہی دلہن بننے کا ارمان تھا، جب دیکھو باندیاں جمع ہیں۔ "دلہن دلہن کھیلا جا رہا ہے۔ کیا دلہناپہ برستا تھا موئی کی شکل پر ہنسی آجاتی تھی۔ بڑی سجل سی بچی تھی۔ چھوٹی بڑی، کھنچا ہوا بدن۔ چھوٹے ہاتھ پیر سنے سنے چھدرے دانت دیوی جیسی روشن انکھڑیاں۔ کتنا کتنا جبار کے لئے چاہلہ بیگم اڑ گئیں، ان کے ملنگے کی باندی ہے۔ ماموں جان سے بیٹے کے لئے مانگ کے لائی ہیں۔

یہ کون کہتا ہے صنوبر دلہن نہیں بنی، بو بو پشیمنی باندی تھیں، انہیں خوب احساس تھا کہ ہر عورت دلہن بننا چاہتی ہے۔ باندی ہے تو کیا عورت نہیں، اس کے سینے میں بھی دل ہے۔ ارمان ہیں۔ وہ لونڈیوں کی کبھی گھاس نہ کاٹنے دیتیں۔ سرشام ہی انہوں نے صنوبر کو نہلا دھلا کر صاف ستھرا پیازی جوڑا پہنایا اپنے ہاتھوں مہندی توڑ کر پسوائی خوب رچی تھی۔ بدنصیب کے ہاتھوں پیروں میں خوشبودار تیل ڈال کر چوٹی گوندی جس میں نول کا موباف ڈالا، شمامۃ العنبر میں سر سے پیر تک بسایا سہیلیاں کانوں میں الٹی سیدھی کھسر پھسر کر کے اسے ستاتی رہیں۔ جب پیروں سے اٹھا کر حشمت میاں نے اسے کلیجے سے لگایا تو نگوڑی نے ننھا سا گھونگھٹ نکال لیا تھا۔

چودہ برس کی صنوبر جس نے حشمت میاں کا منہ دیکھ کر جانو ملک الموت کا ہی منہ دیکھ لیا۔ سال کے اندر گابھن ہو گئی۔ پھیکی کسیلی مرگھلی سی بچی سارا دن منہ اوندھائے پڑی ابکائیاں لیا کرتی۔ اللہ لوگوں کے کیسے کیسے ناز نخرے ہوتے ہیں، میکے سسرال والے صدقے واری جاتے ہیں۔ جب اچھی بھلی تھی، نواب زادے سے ہاتھ جڑوا لیتی تھی تب ذرا سا مسکراتی تھی۔ ایک ایک پیار کے لئے ناک رگڑواتی تھی جب جی سے اتری تو میاں گھن کھانے لگے۔ محل کا دستور تھا جب گائیں بھینسیں گابھن ہو جاتی تھیں انہیں گاؤں بھیج دیا جاتا تھا، دودھاری ہوئی کہ واپس بلا لی گئیں۔ لونڈیاں باندیاں بھی جب بے کار ہو جاتی تھیں تو گاؤں ڈلوا دی جاتی تھیں۔ بچہ جن کے وہیں پلنے کو دے آتی تھیں تا کہ ان پلوں کی کاؤں کاؤں سے وحشت نہ ہو۔

بڑا فیل مچاتی تھیں نامرادیں بھینس کی طرح بچھڑے کی یاد میں: آراتیں دودھ بھر کے بخار چڑھتے۔ تب انہیں کسی بیگم کا بچہ بلگا دیا جاتا۔ دودھ، پلائی کے عیش اٹھانے کو ملتے، اپنا بچہ بھول کر اسی سے مانوس ہو جاتیں۔ مگر نواب زادیاں گائے بکریوں کی طرح تھوڑے ان کے لئے بچے جننے بیٹھیں گی۔ زیادہ تر رو پیٹ کر خشک ہو جاتیں اور پھر سے کام لگا دی جاتیں۔

مگر صنوبر اڑ گئی کہ گاؤں نہیں جاؤں گی۔ نایاب بو بو نے بہتیرا سمجھایا پر بیگم کے قدم سے لپٹ گئی۔ بو بو دنیا دیکھے ہوئے تھیں۔ لونڈیوں سے انہیں نفرت بھی تھی کہ اپنے وجود سے بھی نفرت تھی،

مگر ان سے ہمدردی بھی تھی۔ ویسے مالک کی چیز بست کا بڑا خیال رکھتی تھیں کیا مجال جو مرغیوں کا ذرہ بہ کھلا رہ جائے کہ موئی بلی چبا کے دھر دے۔

مگر سنوبر کی گھڑی آ گئی تھی۔ نہ مانی اور صاحبزادے کا منہ کروا کرتی رہی کوئی دوسری جاتی تو اس کا منہ نوچ ڈالتی۔

ایک دن نہ جانے کس بات پر زبان چلانے لگی۔ صاحبزادے کو تاؤ آ گیا۔ ایک لات جو کس کے رسید کی تو گری جا کے موری میں بے ڈھب پڑ گئی لات۔ تین دن بھینس کی طرح اراتی رہی۔ کوئی ڈاکٹر بلایا جاتا تو فضیحتا کھڑا ہو جاتا پیٹ میں بچہ مر گیا تھا۔ لوگ ویسے ہی دشمن ہیں۔ خیر دوسرے دن سنوبر نے غلام گردش کی سب سے تاریک کوٹھری میں دم توڑ دیا۔

سنوبر تھی پورم پور جادوگرنی۔ نہ جانے کیا کر گئی کہ چار سال شادی کو ہو گئے تھے۔ اولاد کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ کیسے کیسے علاج ہوئے تھے تعویز گنڈے ہوئے مزاروں پر منتیں چڑھائیں۔ مندروں میں دیئے جلائے۔ دلہن بیگم کا پیر بھاری نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ سچ کہ جھوٹ دشمن بیری کہتے ہیں صاحبزادے نے بھری کوکھ لات ماری تھی اس کارن نامرد ہو گئے۔ جب ہی تو بیگم دلہن کو ہسٹریا کے دورے پڑتے ہیں اور دوڑ دوڑ میکے جاتی ہیں۔ وہاں ان کے خلیرے بھائی سنا ہے بڑے عمدہ ڈاکٹر ہیں وہی ان کا علاج کر رہے ہیں۔

نایاب بوبو نے ٹھنڈی سانس بھری بیگم نواب کا منہ ہاتھ دھلانے کے لئے گرم پانی منگوایا سلفچی آفتابہ اٹھوا کر سموسے تلنے کا حکم دیا اور انکی خوابگاہ کی طرف چلدیں۔

بیگم نے پلنگڑی کے پائے کے نیچے دبی ہوئی سلیم شاہی جوتی کو بڑے تاسف سے دیکھا۔ سمدھن نے کیا ذرا سی جوتی تحفہ میں بھیجی تھی۔ موئی نے ساری کونچیں کاٹ دیں، چلو پائے تلے دبوا دی ہے چینی ہی بنوا کر پہن لیں گی۔

بیگم کئی سال سے پلنگڑی پر سونے لگی تھیں۔ گنگا جمنی پایوں کی مسہری سے ان کا دم گھٹنے لگا تھا۔

ہائے یہ وہی مسہری تو تھی جس پر ان کے حنا آلودہ پیر چوم کر نواب صاحب نے قسمیں کھائیں تھیں۔ نواب زادی ہو کر بھی وہ بھول بیٹھی تھیں کہ نوابوں کے تمام قول و قرار توڑنے ہی کے لئے باندھے جاتے ہیں۔ نواب فرحت کی جادو بھری غلافی آنکھوں اور بھرے بھرے بازوؤں نے انھیں نہ جانے کیوں باور کرا دیا تھا کہ یہ بات ہی اور ہے۔

پہلے تو انہیں نایاب کے وجود سے کوفت ہوئی مگر جب وہ قدموں میں بچھ گئی اور یقین دلا دیا کہ نواب دولھا کی باندھی نواب دولھن کی باندی ہے۔ بیگم کی مسہری انہیں مبارک۔ وہ کوئی رنڈی خانگی نہیں، نہ ٹکوں سے خریدی لونڈی ہیں، نہ جانے پشتہا پشت سے کتنے نوابوں کا خون ان کی رگوں میں موجزن ہے۔ مگر بوبو اس وقت در نایاب تھیں۔ نواب کو ہڑک اٹھتی اور ہاتھ کی صفائی دکھا جاتے تو بیگم تلملا کر رہ جاتیں۔ منہ تھوتھا لیتیں۔ لیکن صبح جب آنکھ جھکائے نادم نایاب آفتابہ سلفچی لئے ان کا منہ ہاتھ دھلانے آن موجود ہوتیں تو ان کا غصہ ٹھنڈا پڑ جاتا۔ انجان سی بن جاتیں۔ جیسے انہیں کچھ خبر ہی نہیں اب کچھ اندھیر بھی نہ تھا۔ خاندان کے سب ہی مردادھر ادھر منہ جھٹا لیتے ہیں۔ بوبو نے بھی کبھی حد سے آگے پیر نہ نکالے۔ نواب کے میٹھے بول اس کان سنتی اس کان اڑا دیتی۔ جب نواب منور مردار کے چکر میں پھنسے تو انہوں نے باقاعدہ بیگم کے ساتھ مل کر مورچہ سنبھالا۔ بیگم کی بے دخلی پر خوش ہونے کی بجائے آٹھ آٹھ آنسو روئیں۔ ان کا اور بیگم کا نواب سے اٹوٹ ناطہ تھا، مگر یہ ٹکسیائی کون ہوتی تھی۔ جاگیر کے کوڑے کرانے والی۔ وہ تو چلتی ہوا کا جھونکا تھا۔ آج اس رخ کل اس رخ۔

انہوں نے بیگم کے ساتھ مل کر محاذ پر بہت حکمت عملی سے کام لیا۔ بھائی دوج کے موقع پر راکھی بندھن کا دن آیا تو انہوں نے اپنے منہ بولے طرحدار خان ڈیوڑھی دار کو اپنے ساتھ ملایا راتوں رات کندن مل جوہری سے جڑاؤ راکھی گڑھوائی۔ دو تھال تازہ مٹھائی کے لے کر ست پال جی کو بھجوائے کہ بھائی اور منور بھابی کو بہت بہت دعا کہی ہے اور راکھی بھیجی ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں، ست پال جی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بیگم کو جڑاؤ کنگن بھیجے اور اس دن منور بائی کے سنگ چادر اندازی کی رسم ادا کرلی اور دونوں پیرس سدھار گئے۔

"صدقے جاؤں میری شہزادی یہ منور کی بچی کے گھڑی کی مہمان ہے اپنے نوشاہ تو بھولے ہیں، چار دن میں ہوش آ جائے گا۔ راہ راست پر آ جائیں گے اپنی جان کیوں ہلکان کرتی ہیں۔" وہ بیگم کے پاؤں اپنی گود میں رکھ کر کہتیں۔

اور جب منور غارت ہوئی اور نواب کی سانسیں گنی جانے لگیں تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے سج سجائی۔ بیگم کو از سر نو دلہن بنایا۔ ایک وقت آتا ہے جب بیگم کو رنڈی بننا پڑتا ہے کہ یہی مانگ ہے خدائے مجازی کی۔ انہوں نے بیگم کو پھولوں کے گہنے کے ساتھ سمجھ کے دو موتی بھی کان میں ڈال دیئے۔ خود غلام گردش کی اندھیری کوٹھری میں، جبار کو کلیجے سے لگائے ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی۔

چھمن میاں پیٹ کی پوچھن ہوئے کہ اس کے بعد بیگم کو مسہری سے گھن آ گئی۔ مہترانی کی بہو

ایک قیامتِ عالم تھی۔ نہ جانے نواب صاحب کی اس پر کہاں نظر پڑ گئی۔ کیسے بات بنی یہ کسی کو کبھی پتہ ہی نہ چلا۔ بیگم اپنی خالہ زاد بہن کی منگنی سے خوشی خوشی چاندی کی تشتریوں میں دودھ کے لڈو لئے واپس لوٹیں، بوبو نگوڑی کو بھینسوں بخار چڑھا ہوا تھا سو وہ اپنی کٹھریا میں لوتھ پڑی تھیں۔ دروازے بھی تو بند نہ تھے۔ بیگم کے ہاتھ سے تشتریاں چھوٹ پڑیں یا شاید انہوں نے مسہری پر کھینچ ماریں۔ لونڈیا کی گھگی بندھ گئی اور نواب بغلیں جھانکنے لگے۔

وہ دن اور آج کا دن بیگم نے مسہری پر قدم نہیں رکھا۔ یہ مسہری پہلے جاپے کے وقت چھوچک کے سنگ آئی تھی ان کے میکے سے۔ اس سبک سی لال پایوں والی پلنگڑی پر بیگم نے چار بار مرمر کر زندگی کا پھل پایا تھا۔ اس پر لیٹ کر وہ سب کچھ بھول جایا کرتی تھیں۔ بس وہ درد جو انہوں نے جھیلے تھے ان کی یاد میں دنیا کا ہر دکھ درد مٹ جاتا تھا۔

پلنگڑی کے پائے کے نیچے سے جوتی کھینچ کر چوکی پر گئیں۔ روز سروری یا حلیمہ منہ دھلایا کرتی تھیں۔ آج حلیمہ کو تو نہانے دھونے سے فرصت نہ ہوگی مگر خلاف معمول بوبو کو منہ لٹکائے دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا۔

"خیریت تو ہے؟"

"جی ہاں نواب دلہن اللہ کا فضل ہے۔" مگر بوبو نے آنکھ نہ ملائی۔

"کیا ہوا؟" بیگم کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔

رک رک کر بوبو نے تمام تفصیل بتائی۔ بیگم کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی۔ فوراً جبار کو موٹر لے کر بھیجا کہ حکیم صاحب کو لائے۔

"پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں دلہن بیگم، بچہ ناتجربہ کار ہے کمسن ہے پھر بھی احتیاطاً کچھ مقویات مع تفصیل کے غلام صاحبزادے کی خدمت میں بھجوادے گا، اس کے علاوہ سرکار ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے کراہیت آتی ہو۔ بعض وقت ماحضر کچھ اس ڈھنگ سے پیش کیا جاتا ہے کہ رغبت نہیں ہوتی، اس کا یہ مطلب نہیں کہ معدہ ناکارہ ہو چکا ہے۔" حکیم صاحب نے عرض کیا۔

"میں پہلے ہی کھٹکی تھی حضور، لونڈیا ہی میں کچھ کھوٹ ہے، نوابزادوں کے مزاج کے لائق نہیں۔ سو کھی ماری مرگھلی، میری مانئے تو سرکار اس نامراد کو باقر نواب کو دے ڈالئے۔ کئی بار کہہ چکے ہیں۔ ان کے ولائتی کتوں کی جوڑی حشمت میاں کو پسند ہے وہ بخوشی دیدیں گے۔"

بوبو بیگم کی پنڈلیاں دبانے لگیں۔

"اے ہے نوج، میں موئی کو زہر دیدوں گی مگر اس کوڑھی کو نہ دوں گی موا سوٗر رہا ہے سر پیر سے۔

ایسا اندھیر تو خاندان میں کبھی نہیں ہوا کہ لونڈی جائے اور صحیح سلامت لوٹ آئے۔

تکلفات کا خیال کئے بغیر ہی پیش دستی کر بیٹھتے ہیں۔ کہیں بھائی بھائی میں رقابت نہ ٹھن جائے اس لئے سگھڑ بیگمیں احتیاط سے بٹوارہ کر دیتی ہیں پھر مجال ہے جو دوسرے کی باندی پر کوئی دانت لگائے بالکل قانونی حیثیت ہوتی تھی اس گھریلو فیصلے کی۔

"میں تو عاجز ہوں اس لڑکے سے۔ اٹھارہ انیس کو ہونے کو آیا کیا مجال جو کسی لونڈی باندی کو چھیڑا ہو، کہ چٹکی بھری ہو، ہمارے بھائی تو ادھر دس بارہ کے ہوئے اور خرمستیاں شروع کر دیں۔ سولہ سترہ کے ہوئے اور پھسل پڑے چو مکھاے، نایاب نگوڑی ڈھنگ سے نہائی دھوئی بھی تھی کہ تم نے ہلدی لہسن میں سڑتی ہوئی میرے بچے کی جان پر تھوپ دی۔

"اے حضور مجھے اناڑی سمجھا ہے؟ اللہ کی عنایت سے ان ہاتھوں نے کیسی کیسی باندیاں سنواری ہیں، امام حسین کی قسم میری سنواری لونڈیا کی ایڑی دیکھ کے مرد ذات قوقاف کی پری کو نہ پوچھے۔ حشمت میاں فرنگن سے پھنسنے کو ہو رہے تھے مگر میرے ہاتھ کی صنوبر سوارت ہوئی کہ نہیں؟" بوبوا پنے فن پر آنچ آتے دیکھ کر بڑی چراغ پا ہوئیں۔

صنوبر کے ذکر پر بیگم کو پسینہ آ جاتا تھا۔ اس نصیبوں جلی کے بچے پر کیسا جادو پھونکا اب یہ دوسرے صاحبزادے کی فکر جان کو لگ گئی۔

"اے قربان جاؤں بیگم، آپ کا لال جوانوں کا جوان ہے، سارے خاندان میں ایک افضل نواب ہی ذرا دیسے نکل گئے، بری لت میں غارت ہوئے، دلہن بھی چیچک رو اور نری بدذوق ملیں۔ اگر حکم ہو تو باقر نواب سے بات کر دی جائے۔ انہیں ایک چھوکری کی ضرورت ہے۔ کئی بار تقاضا کر چکے ہیں۔ دن بھی تو اب خراب ہیں۔ پچھلے دنوں بھاری قیمت دے کر، دو باندیاں خریدیں پولیس نے ناطقہ بند کر دیا۔ بہت کچھ کھلایا پلایا۔ بہت کہا کہ اللہ نام پر غریب لڑکیوں کی پرورش کر رہے ہیں۔ مگر لڑکیاں کسی ہوم سوم میں اللہ ماری پہنچا دی گئیں۔ ڈیڑھ ہزار پر پانی پھر گیا۔ کمن نواب ہوشیار ہیں انہوں نے فوراً اپنی کا خیر الدین سے نکاح پڑھوا دیا۔

"اے موا خیر الدین جھڑ دس نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت، دنیا جانتی ہے لونڈی نواب کمن کی ناک کا بال بنی ہوئی ہے۔ اسے تو پولیس نے ان نگوڑی لڑکیوں کو اجاڑ ڈالا"

ان کے ماں باپ پر مقدمہ چل رہا ہے۔"

"اوئی یہ کس بات کا؟" بیگم حیرت زدہ ہو گئیں۔

"اللہ جانے نئے نئے فیشن نکال رہے ہیں، اپنی اولاد بے وقت پڑا ہو گا۔ بھوک مرنے سے تو

اچھا ہے ورنہ کون اپنے جگر گوشوں کے کوزے کرے گا۔"

"سنا ہے ادھر جب سے کال پڑا ہے۔ مال بہت سستا مل رہا ہے۔"

استے میں آبادی بوا پوچھنے آگئیں کہ آلو کا قیمہ شامی کباب اور بینگن کی ترکاری کے علاوہ اور کیا بنے گا۔

"مرغ پلاؤ تو ہو گا ہی۔ خان ساماں جی سے کہنا ذرا پیاز کا لچھا باریک اتاریں موٹے موٹے کینچوے نہ کاٹ کے رکھ دیں، اور ہاں ذرا اطر عدار خاں سے کہنا ذری فرخندہ نواب سے جا کر کہیں آ کر دو گھڑی مل جائیں، جی لوٹ رہا ہے۔"

اگر تیسری جنگ شروع ہو جاتی تو بھی محل میں ایسا طوفان نہ جڑتا بات رینگتی رینگتی سارے خاندان میں پہنچ گئی، جانو ہر چہار طرف سنپولئے چھوٹ گئے۔ ایک سے دوسرے منہ تک جانے کتنی دیر لگتی ہے۔ جس نے سنا چھاتی کوٹ لی۔

"ہے ہے چھوٹے میاں۔"

افضل میاں کو پتہ چلا، پائنچہ پھڑکاتے ایک پیک کا غرارہ منہ میں سنبھالتے آن پہنچے اور سیدھے چھمن کی جان پر ٹوٹ پڑے۔ خوب چھینٹے کسے۔ ان کے شرم سے لال کان چوم کر بھونڈے پن پر اتر آئے۔

"اری ماں ہمیں کیا معلوم تھا یہ قصہ ہے۔ ورنہ تمھاری بھابھی کا پھندا کاہے کو گلے میں ڈالتے۔ جان من اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ بندہ حاضر ہے۔ کسی زمانے میں وہ چھمن پر بری طرح پیش ہو گئے تھے۔ بڑے سرکار نے گولی مار دینے کا الٹی میٹم دیا تب ہوش میں آئے۔ چھمن ان سے بے طرح چڑھتے تھے۔

"بکواس مت کیجئے۔ ایسی کوئی بات نہیں، اصل میں مجھے ایسی باتیں پسند نہیں میرا مطلب ہے بغیر نکاح ناجائز ہے۔"

"مگر سرکار باندی تو جائز ہے۔"

"بالکل جائز نہیں۔"

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہمارے جد امجد سب کے سب حرامکار تھے۔ ایک آپ پیدا ہوئے ہیں متقی پرہیزگار۔"

"میرا خیال ہے کہ۔۔۔۔"

"آپ کا خیال سالا کچھ نہیں، کبھی ارکان دین کا مطالعہ فرمایا ہے؟"

"نہیں تو مگر ۔ ۔ ۔ ۔ یہ بات عقل میں نہیں آتی۔"

"پتھر پڑ گئے ہیں آپ کی عقل مبارک پر، معلوم ہے نہیں کچھ اور آئیں بائیں شائیں ہانکنے لگے۔

"مگر قانوناً جرم ہے۔

"ہم یہ کافروں کے قانون کو نہیں مانتے ہم خدائے ذوالجلال والکرام کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہیں۔" افضل میاں شاعری بھی فرمایا کرتے تھے، نہایت پرائیویٹ قسم کی" ہمارے ہاں لونڈے غلام کے ساتھ اولاد جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ نایاب کو دیکھو ملکہ بنی راج کر رہی ہے، ان کے بیٹے کو کسی چیز کی کمی نہیں۔ سب ہی باندیوں پر چربی چڑھ رہی ہے، ہاں تمہیں سوکھا مارامال دیا گیا ہے، تو میاں سرداری لے لو، دنبہ ہو رہی ہے۔"

"بشت"

"ہم کہتے ہیں آخر معاملہ کیا ہے۔"

"کچھ معاملہ نہیں، آپ مہربانی فرما کر میرا بھیجا نہ چاٹئے۔"

"تمہاری مرضی، تم کو جگ ہنسائی کا شوق ہے تو کون روک سکتا ہے۔ تمہاری مرضی اور سرکار شاید آپ کو پتہ نہیں آپ کی منگیتر۔"

"میری کوئی منگیتر دنگیتر نہیں۔"

"ابھی نہ سہی ہو تو جائیں گی۔ وہ حرمہ خانم اس لفندرے سے۔ بہت میل جول بڑھا رہی ہیں، منصور سے۔"

"تو میں کیا کروں۔"

"بتاؤں کیا کرو، ابھی صدر کی طرف جا رہا ہوں منہیار ن کو بھیجے دیتا ہوں بھر کلائیاں چوڑیاں پہن لو اور کیا" انہوں نے پیک بھرا قہقہہ مارا۔

"اچھا بس اب آپ گند پر اتر آئے۔ ٹہل جائیں۔"

"اماں ہم تم کو تمہارے بھلے کو سمجھانے آئے اور۔"

"جہالت، سب جہالت کی باتیں ہیں۔"

"ہمارے قبلہ و کعبہ جاہل تھے۔"

"ہوں گے مجھے کیا پتہ۔"

"ابے کیوں گھاس کھا گئے ہو، بزرگوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی رواج بنایا اب تک ہمارے خاندانوں میں اسی پر عمل ہوتا چلا آیا ہے۔ جوان لڑکے بے راہ نہیں ہوتے۔ بری لتوں سے بچتے ہیں، صحت اچھی رہتی ہے۔"

"پھر آپ کیوں بچ گئے۔" چھمن شرارت سے ہنسے، افضل میاں پہ چھوکنے لگے

"یہ سب حرام کاری کو جائز بنانے کے ہتھ کنڈے ہیں۔"

"تم کفر بک رہے ہو مذہب کی توہین ۔۔۔۔"

"ارے جائیے بڑے مذہب والے آئے، مذہب کی بس ایک ہی بات دل پر نقش ہے۔"

"نالائق بھی ہو اور ۔۔۔۔ بد تمیز بھی۔ لاحول ولا، میری بلا سے تم جہنم میں جاؤ۔"

تن پھن کرتے چل دیئے۔

رات کو خاصہ چنا گیا تو نایاب بوبو نے بڑے اہتمام سے چاندی کی چمچی میں معجون مرکب جواہر والا چاندی کے ورق میں لپیٹ کر پیش کی۔ حکیم صاحب کی ہدایات کا پرچہ چھمن نے بے پڑھے پھاڑ دیا تھا اور سردری کو ڈپٹ بتائی تھی۔ چھمن کا جی چاہا قلیمہ کی قاب میں ڈوب مریں۔ ان کو دھرے ایک ہاتھ مارا مرتبان چکنا چور ہوئی، معجون بھری چچی بوا کی کسی ہوئی تونپ پر چپک گئی۔ جالی کا کرتا تھس نہس ہو گیا۔ چھمن بغیر کھانا کھائے پیر پٹختے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ساری دنیا ان سے کیا مانگ رہی تھی۔

انہوں نے اب تک جتنی علمی اور ادبی کتابیں پڑھی تھیں سب ہی میں بغیر شادی کئے کسی عورت سے تعلقات رکھنے والے کو زانی اور بدکار کہا گیا تھا۔

باہر پھر آج ہوا بپھری ہوئی ڈائین کی طرح ہونک رہی تھی، کھڑکی کے شیشے پر ایک کمزور سی ٹہنی بار بار سر رگڑ رہی تھی، جیسے ہوا سے بچ کر اندر چھپنے کے لئے دستک دے رہی ہو، بڑی مشکل سے آنکھ لگی۔

ٹھنڈی ٹھنڈی بوندیں ان کے پیروں پر رینگیں تو گھبرا کر جاگ پڑے، دل دھک دھک کرنے لگا۔

حلیمہ ان کے پیروں پر منہ رکھے سسک رہی تھی۔ جلدی سے انہوں نے پیر کھینچ لئے پھر وہی آنسوؤں کا طوفان، یہ لڑکی تو دشمن سے مل کر ان کے خلاف مورچہ بندی پر تلی ہوئی تھی، یہ لوگ انہیں ڈبو کر ہی دم لیں گے۔"

"کیا ہے؟" انہوں نے ڈپٹا۔

"کیا میں اتنی گھناؤنی ہوں کہ سرکار کے پیر بھی نہیں چھو سکتی۔" حلیمہ کراہی۔

"بھئی۔ یہ کیا گدھاپن ہے۔ جاؤ ہمارے کمرے سے۔"

"نہیں جاؤں گی، کیا سمجھا ہے مجھے، باندی ہوں، کوڑھن تو نہیں، سارا محل میرے جنم میں تھوک رہا ہے، میرا مذاق اڑایا جارہا ہے کہ آپ کو مجھ سے گھن آتی ہے۔ میں آپ کے لائق نہیں، کل سے سروری آپ کی خدمت گزاری پر مقرر کی جائے گی۔"

"ہم اس سؤر کو بہت ماریں گے۔ ہمیں خدمت گزاری کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"ہو جائے گی ضرورت حکیم صاحب فرماتے ہیں۔"

"جھک مارتے ہیں حکیم صاحب الو کے پٹھے۔"

"تو میں کیا کروں۔"

"جاؤ سو جاؤ بہت رات ہو گئی۔"

"میرے لئے کیسی رات اور کیسا دن، پر اتنا تو احسان کیجئے، مجھے زہر ہی لا دیجئے۔" "ہم کیوں لا دیں زہر؟ بیوقوف، کیسی باتیں کر رہی ہے۔ خود کشی گناہ ہے۔" "تو پھر باقر نواب کی آگ میں جلتی رہوں، انہیں گرمی کی بیماری ہے۔ چھوٹے میاں۔" حلیمہ پھر دریا بہانے لگی۔

"باقر نواب، ان کمبخت کا کیا ذکر ہے۔"

"انہیں کا تو ذکر ہے، آپ سروری کو قبول کر لیجئے، مجھے ان کے ہاتھ بیچا جارہا ہے۔"

"کیا؟ کیسے بیچا جارہا ہے۔" "دماغ تو خراب ہوا ہے؟"

"ولائتی کتوں کی جوڑی کے عوض اٹھارہ سو کی تھی۔"

"اوہ یہ کیا بکواس ہے۔"

"باقر نواب اندر سے سؤر ہے ہیں، مہترانی بوبو سے کہہ رہی تھی۔ بوبو کو تو مجھ سے بیر ہے، میں نے جبار کے منہ پر جوتی مار دی۔"

"جوتی؟ چھمن میاں احمقوں کی طرح بولے۔"

"جی ہاں، موئے نے اس زور سے چٹکی بھری۔" حلیمہ نے بتایا، چھمن کی آنکھیں دہکنے لگیں۔

"بہت اچھا کیا، مگر یہ ولائتی کتے، نواب باقر ------ یہ سب کیا ہے؟"

ٹھنڈے دل سے حلیمہ نے سب کچھ تفصیل سے سمجھایا تو غصہ سے کانپنے لگے ان کا جی چاہا حلیمہ کے آنسو اپنے دامن میں سمیٹ لیں مگر اسے ہاتھ لگاتے جی کانپ رہا تھا کہ ہاتھ لگا تو چھوٹنا مشکل ہو جائے گا۔

"ہم پیاری امی سے کہیں گے کہ باقر نواب ایک سؤر ہیں۔ تمہیں --- ہم انہیں کبھی نہیں دیں

گے۔" چھمن ہکلانے لگے۔

" وہ مجھے کب دینا چاہیں گے۔ انہوں نے تو مجھے بچپن سے آپ کے لئے پالا ہے۔"

" ہائے اللہ ہیں ایسی باتوں کا ذکر ہوا کرتا ہے۔"

" کیوں؟ ذکر کیوں نہیں ہوتا۔ بھائی جان کی شادی ہوئی تو۔۔۔۔ ان سے پوچھا گیا۔"

" شادی، ہئے میرے اللہ ساری دنیا کو معلوم ہے حرمہ بیٹیا سے بچپن کی مانگ ہے۔"

" اور تم؟"

" میں تو آپ کی باندی ہوں۔"

" تم ہماری باندی ہو، تمہاری ماں تو باندی نہیں تھی، نہ تمہارا باپ باندی زادہ تھا۔ تم تو سیدانی ہو حلیمہ تمہارے ابا کسان تھے۔"

" میرے ابا کا نام نہ لیجیے۔" حلیمہ غرائی۔" نہ میری اماں کا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

چھمن خاموش اسے دیکھتا رہے۔

" حلیمہ۔" ان کا گلا بھر آیا۔

" کیوں لیا ان کمبختوں کا نام، کیوں لیا، اللہ مجھے موت دیدے، مولا۔" وہ اور بلک بلک کر روئی۔

" حلیمہ۔۔۔۔ سنو حلیمہ۔۔۔۔ انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ مٹھی میں پکڑ لئے۔ سنو تو ہم پیاری امی سے آج ہی کہیں گے۔" انہوں نے اس کے آنسو پونچھے۔" ہم نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

" کیا فیصلہ کیا ہے۔"

" کہ ہم حرمہ سے شادی نہیں کریں گے۔ ہماری شادی تم سے ہوگی۔"

" شادی! حلیمہ نے جھٹکے سے دونوں ہاتھ چھڑا لئے۔ توبہ توبہ، آپ تو واقعی بچوں جیسی باتیں کرتے ہیں۔ یاد ہے الفت کا انجام صادق نواب نکاح کر رہے تھے۔ زہر دلوا دیا بڑی بیگم صاحب نے، ہائے کیسی تڑپی ہے تین چار دن، دم ہی نہ نکلتا تھا موئی کا، چھوٹے میاں، ایسا ہی ہے تو اپنے ہاتھ سے گلا گھونٹ دیجئے۔" حلیمہ نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے گلے پر رکھ لئے۔

وہی ہوا جس کا ڈر تھا، حلیمہ کا جسم گوند کا بنا ہوا تھا، چھمن کے ہاتھ الجھ گئے۔

جاؤ۔۔۔۔ جاؤ حلیمہ۔۔۔۔ پیاری حلیمہ۔۔۔۔ جا۔ جا۔۔۔۔ انہوں نے اسے سمیٹ لیا۔" اف کتنے ٹھنڈے ہیں تیرے ہاتھ۔۔۔۔ حلیمہ۔۔۔۔"

" تو گرم کر دیجئے میری سرکار!" اس نے کرتے کے بٹن کھول کر اپنے چھوٹے چھوٹے سرد ہاتھ ان کے بے قرار اچھلتے ہوئے دل پر رکھ دیئے۔

روتے سسکتے دو معصوم ناتجربہ کار بچے ایک دوسرے میں تحلیل ہو گئے، گم ہو گئے۔ باہر ہوا دبے پیر شرمائی ہوئی نئی دلہن کی طرح آہستہ آہستہ جھوم رہی تھی۔

چھمن میاں کی تو ہر بات بے تکی اور نرالی ہوا کرتی تھی۔

سب ہی ان پر ہنستے تھے، کھلونوں سے کھیلتے ہیں ان کی پوجا نہیں کرنے لگتے۔ بیگم نے اس صبح کیا اطمینان کا سانس لی تھی جب بوبو نے انہیں جھک کر سلام کیا اور جی کھول کر مبارک باد دی تھی۔

آٹھ بجے تھے اور ماشاءاللہ ابھی تک دروازہ بند تھا۔

پھر جب صاحبزادے کالج چلے گئے تو بیگم نے اپنی آنکھوں سے ثبوت دیکھ کر دو رکعت نفل شکرانے کے پڑھے تھے۔ حلیمہ کو حرارت ہو گئی تھی۔ اپنی کوٹھری میں منہ اوندھائے پڑی تھی۔ بوبو آتے جاتے گندے مذاق کر رہی تھی۔ سارے محل میں غلغلہ تھا کہ چھوٹے میاں نے حلیمہ کو قبول کر لیا۔ دوسری باندیاں کلستی پھر رہی تھیں۔ سب کا کلیجہ نکلتا تھا۔ چھمن میاں کو لمبے لمبے بھرتے آتے جاتے دیکھ کر سب ہی کلیجہ تھام لیا کرتیں۔ حلیمہ قسمت والی تھی کہ ایسا بسمل معصوم دولہا ملا۔ اپنی بات چیت میں باندیاں دولہا کہہ کر ہی دل کو سہارا دے دیا کرتی تھیں۔ سردری تو منہ تھوتھائے پھر رہی تھی کتنا اٹھلاتی تھی چھوٹے میاں کو دیکھ کر۔ سب ہی چڑیلیں انہیں دیکھ کر دولتیاں جھاڑنے لگتیں۔ مگر وہ کان سرخ کئے سر جھکائے لپک کر نکل جاتے۔ لڑکیوں کو دیکھ ان کے ہمیشہ ہاتھ پاؤں پھول جایا کرتے تھے۔

مگر حلیمہ کو ایک بار چھو کر وہ پھر کسی کام کے نہ رہے، خالی گھنٹہ ملا اور بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ یار دوست چھٹی اتوار کے دن آتے ہیں، میاں بہانہ بنا رہے ہیں۔ مجھے پڑھنا ہے۔ اور پڑھتے بھی تو حلیمہ کے زانو پر سر رکھا ہوا ہے ہر فل اسٹاپ پر پیار کا نکتہ۔

"گنوار لٹھ، کاش ذرا سا پڑھ لیا ہوتا تو میرے نوٹ فیئر کر دیتی۔" اور حلیمہ بیٹھی کوئلے سے زمین پر اے، بی، سی، ڈی، کاڑھ رہی ہیں۔

"میرے فونٹن پین میں سیاہی تو بھر دو یار۔"

سیاہی میں دونوں ہاتھ ناک منہ، اوڑھنی رنگ گئی۔ اور اوپر سے لسوڑے بالکل گدھی ہے۔

حرمہ بے بی نوٹ فیئر کریں گی، فونٹن پن میں روشنائی بھریں گی میٹرک میں پڑھتی ہیں نا۔

بڑا اعلیٰ انتظام ہوا کرتا تھا۔ میاں کو الگ الگ حصہ محل کا دیدیا جاتا تھا۔ باندی سے پھر کسی اور کام کی توقع نہیں کی جاتی تھی، حلیمہ تو نایاب بوبو کی سدھائی تھی، بیگم کا ہاتھ منہ دھلانے پر ضد کرتی،

پاندان پونچھنے، سنوارنے، تازہ کتھا چونے بھرنے اور چھوٹے موٹے کام سے منہ نہ موڑتی۔

"اے بھئی بس اپنے چھوٹے سرکار کو سنبھالو۔" بیگم اسے تانتیں۔ مگر وہ سر ڈھلکے گردن جھکائے منڈے ان کے پیر دباتی۔ ساس ہی تو ہوئیں، ان کا پوت بھی تو لونڈی کے پیر چومتا ہے۔

نئے جوڑے زیور سب ہی کچھ دیا جاتا تھا۔ بالکل علیحدہ گھر داری کا سالطف آجاتا تھا۔ جی چاہا تو اپنی طرف کے باورچی خانہ میں کوئی تازہ چیز جھٹ پٹ بگھار لی روز مالن بھر ٹوکری پھول گجرے دے جاتی۔ مگر سیج پر پھول چمن میاں کو کبھی نہ بھائے۔

"بھئی بڑا دکھ ہوتا ہے پھولوں پر چڑھے لیٹے ہیں، بڑی بے رحمی ہے۔" وہ سارے پھول سمیٹ کر حلیمہ کو گود میں بھر دیتے۔

نایاب بوبو وہی اپنی طوطے جیسی رٹ لگائے ہوئے تھیں کہ ادھر متلیاں لگیں ادھر موئی مردار ہوئی۔ لوگ بیاہتا تک کو جی سے اتار دیتے ہیں تو باندی کی بھلی چلائی۔ چمن کا جنوں اور لگن دیکھ کر بوبو سرور سے آنکھیں نیم باز کر لیتیں۔

"بالکل فرحت نواب پر گئے ہیں۔ ہائے یہی گرما گرمی تھی، یہی دیوانگی، ادھر جبار نے پیٹ میں پیر پسارے الٹیاں لگیں کہ گرمی ٹھنڈی۔"

"سوچتی ہوں اب کے خالی چاند میں نکاح ہو جائے مجھے کچھ فیروزہ خانم، اکھڑی اکھڑی لگیں۔"

"کہنے والوں کے منہ میں خاک سنتے ہیں حرمہ بیٹا بڑی آزاد ہو گئی ہیں۔" بوبو نے اطلاع دی۔

"خیر سے میٹرک کر لیا۔ اب لونڈوں کے کالج میں بھرتی کرانا کیا معنی، میں نے تو صاف کہہ دیا، بہن یہ کون طریقہ ہے۔" بغلیں جھانکنے لگیں۔

"سنا ہے۔" بوبو قریب کھسک آئیں۔ "بیگم کہنے والوں کے منہ میں انگارے کہ کوئی ارشد میاں کا یار ہے۔ بہت آنا جانا ہے اس کا گھر میں۔"

"ہے ہے، تم سے کس نے کہا؟"

"طرحدار خان کی دلہن۔ بہت آتی جاتی رہتی ہیں، ان کی خالہ لگتی ہیں جو سوزن کاری سکھانے جاتی ہیں مریم بٹیا کو کہہ رہی تھیں خوب گیند بلا ہووے ہے۔ اللہ رکھے اپنے میاں کی پڑھائی میں کون روڑے اٹکتے ہیں، نکاح ہو جائے تو اچھا ہے۔"

مگر لڑکا تو پٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتا۔ کیا بولے پرسوں "حلیمہ سے ہی نکاح پڑھوا دو۔" میں نے کہا اب تو کہا ہے، پھر اگر یہ خرافات منہ سے نکالی تو اللہ قسم جان دے دوں گی۔

"اے بیگم بکتے ہیں، ان نوابوں کے قول و فعل میں کون سی سنگت تیل دیکھئے تیل کی دھار

دیکھیے اسی اٹھوارے میں سیدھے تکا ہو جائیں گے۔ لونڈیا مجھے کچھ مری مری سی لگتی ہے۔

"اے نہیں۔" بیگم کا جی دکھ گیا۔ نہ جانے کیوں حلیمہ پر جی نرم تھا۔ "تمہیں خدا کی قسم؟" پھر دل میں گدگدی سی ہونے لگی۔ دل میں خوشی کا لپکا سا اٹھا بڑے کی باندی صنوبر کی جب خبر سنی تو تھی تو دم بھر کو جی میں گھنگرو سے بج اٹھے تھے۔ اس کی موت پر سب سے چھپ کر آنسو بھی تو بہائے تھے کہ اس کی کوکھ میں اپنا خون بھی تو بے موت مرا۔ ذرا موٹی عقل کی تھیں نا۔ بعض وقت اصولوں کو بھول کر خالص محبت کی رو میں بہہ جاتیں۔

"بیگم آج تک تو ان آنکھوں نے دھوکا نہیں دیا۔ مجھے تو کئی دن سے دال میں کالا نظر آ رہا ہے۔" بوبو سے محل کا کوئی راز پوشیدہ نہ تھا۔ گائے بھینس حتیٰ کہ شاید چوہوں تک کا پیر بھاری ہوا کہ بوبو نے تاڑ لیا۔ وہ تو مرغیوں کے لال کیس دیکھ کر سمجھ جاتی تھیں کہ کڑکی اتر گئی اور انڈا دینے والی ہے۔ جنوبی ذربے میں گھاس بچھوا دو۔

"پیاری امی کیا حلیمہ گاؤں جا رہی ہے۔" چھمن نے آخر دد بدو پوچھ ہی لیا۔ حلیمہ کئی روز سے لسر لسر رو رہی تھی۔

"ہاں چندا۔ نایاب بھی ساتھ جائیں گی، امی حضور سے میں نے کہلوا دیا ہے کہ تمہارے لئے نیبو کا اچار ضرور ارسال فرمائیں۔ تمہیں باجرے کی کھچڑی بہت بھاتی ہے۔ اے نایاب خدا کا واسطہ کہاں مر گئیں۔ سروری، لطیفہ ۔۔۔ مردار اے کہاں غارت ہو گئیں۔" وہ چھمن میاں کا منہ بند کرنے کے لئے ادھر ادھر دہائی دینے لگیں۔ چاروں طرف سے باندیوں نے یورش کر دی۔

"دیکھو نا باجرہ کنواؤ۔ اور ایک کنکر بھی نکلا مال زادیوں تو اس دن کی طرح کنکر چبواؤں گی۔"

"اس دن ملکہ مسور کی دال میں کنکر رہ گیا۔ کنڑے بیگم کے ہلنے ڈگمگاتے دانت ہی کے نیچے تاک کے پہنچا۔ بس اسی وقت لونڈی کے منہ میں مٹھی بھر کنکر بھر وادیئے اور ہونٹوں پر تھپڑ مار مار کر چبوائے گئے۔

"مگر پیاری امی۔" چھمن نہ باجرے کے ذکر سے ٹلے نہ کنکروں کی مار سے دبے۔ "حلیمہ کو کیوں بھیج رہی ہیں ۔۔۔ میری ۔۔۔ میرے کپڑوں کی دیکھ بھال کون کرے گا۔"

"سروری ہے لطیفہ ہے۔"

"سروری، لطیفہ نے میری کسی چیز کو ہاتھ لگایا تو ۔۔۔ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔ ہاں، مگر حلیمہ کو کیوں بھیج رہی ہیں۔" چھمن منمنائے۔

"ہماری مرضی۔ تم ان معاملوں کون ہوتے ہو دخل دینے والے۔"

"مگر پیاری امی۔"

"میاں ابھی تو ہم جیتے ہیں۔ قبر میں تھوپ آؤ تب من مانی کرنا"۔ پیاری امی کی آنکھوں میں سے چنگاریاں چھٹنے لگیں۔ "اندرون خانہ کے معاملہ میں تمہیں کیا تمہارے باوا تک کو دخل نہیں، تمہیں آج تک تکلیف ہوئی ہے جواب ہو گی۔" باندیوں کے معاملے میں بوبو کا فیصلہ ہی چلتا ہے۔

"پیاری امی، حلیمہ باندی نہیں میری جان ہے، سید زادی ہے آپ نے خود بڑے شوق سے انتخاب فرما کر اسے میرے دل میں بھیجا اور کچے ناخنوں کو گوشت سے جدا کر رہی ہیں۔ کیوں، کون سی چوک ہوئی مجھ سے۔" انہوں نے کہنا چاہا۔ مگر جذبات نے گلا پکڑ لیا۔ حلق میں کانٹے چبھنے لگے۔ اور وہ سر جھکائے اٹھ گئے۔

حلیمہ اپنے آنسوؤں سے خائف تھی، یہ چند آخری دن وہ دھوم دھام سے گذارنا چاہتی تھی۔ پھر زندگی وفا کرے نہ کرے۔ آنے والا لمحہ، جینے کا پیغام لائے گا یا موت کا تحفہ۔ ابھی چار دن باقی تھے، زندگی کے ان چار سلونے دنوں کے لئے اس نے چار جوڑے نک سک سے تیار کئے تھے۔ عطر کی بو سے تے آ رہی تھی۔ مگر جی پر پتھر رکھ کر اس نے بستر کی ہر تہہ کو بسا دیا تھا۔ بال دھو کر مسالے کی خوشبو بسالی تھی، ہاتھ پیر کی پھیکی مہندی کو اجاگر کر لیا اور بھر بھر ہاتھ چوڑیاں چڑھالی تھیں کیونکہ چھمن میاں کو چٹ چٹ چوڑیاں توڑنے میں بڑا مزا آتا تھا۔ وہ کتنی بھی توڑ ڈالیں سہاگ کے نام کی دو چار بچ ہی جائیں گی۔

"گاؤں جانے کا غم نہیں۔" چھمن نے اسے پھول کی طرح کھلتے دیکھ کر پوچھا۔ خود ان کا دل لہو ہو رہا تھا۔

"نہیں۔" بوبو نے لسوے بہانے کو منع کر دیا تھا۔

"کیوں؟" انہیں تاؤ آ گیا۔

"جلد ہی تو آ جاؤں گی۔"

"کتنی جلدی؟"

"تھوڑے دنوں بعد۔"

"کتنے ہوتے ہیں تھوڑے دن۔"

"بس چھ سات مہینے۔"

"چھ مہینے۔"

"آہستہ بولئے!"

"ہم مر جائیں گے علیمہ۔"

"اللہ نہ کرے، آپ کی بلائیں میرے سر میرے نوشہ۔ بری فال منہ سے نہ نکالئے اللہ اپنے رحم و کرم سے مجھے آپ کی خدمت کے لئے ضرور واپس لائے گا۔"

"اور جو نہ لایا علیمہ۔ تیرے جانے کے خیال سے میری جان کھنچ رہی ہے۔ میری چھاتی میں سانس گھٹی جا رہی ہے۔ علیمہ جان، ایسا جی ڈر رہا ہے کہ تو چلی گئی تو پھر واپس نہ آئے گی۔"

"نہیں نوشہ میں بچ جاؤں گی، سب ہی تو نہیں مر جاتیں۔ صنوبر کی اور بات تھی، بڑے سرکار نے لات مار دی تھی تو پیٹ میں بچہ مر گیا۔ ہائے میں مر جاؤں سہم کر اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ یہ وہ کیا بک رہی تھی۔

"بچہ! "چھمن تڑپ کر اٹھ بیٹھے۔

"نہیں نہیں چھوٹے میاں ۔۔۔۔۔میں۔"

"میرے سر کی قسم کھا۔ "چھمن میاں نے اس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا۔

"نہیں اللہ نہیں۔"

"جھوٹی علیمہ! "انہوں نے جلدی سے لیمپ جلایا۔ سہمی ہوئی نظروں سے اسے تکنے لگے۔ پھر مجرموں کی طرح سر جھکا لیا۔ گود میں ہاتھ رکھے بیٹھے رہے۔

بچہ! ان کا بچہ زندہ انسان کا بچہ۔ جی چاہا نہ جانے کیا کریں، زور سے ایک قلانچ بھریں، یہ آسمان پر جو تارے جگمگا رہے ہیں، سارے کے سارے توڑ کر علیمہ کی گود میں بھر دیں۔

لاحول ولا قوۃ۔ بہت شرارت کرے گا پاجی۔ علیمہ انہیں مارنے بھی تو نہ دے گی

"اے میاں لڑکے سیدھی طرح بیٹھو۔ "انہوں نے تخیل میں بیٹے کو ڈانٹا اور علیمہ کو اپنی طرف احمقوں کی طرح تکتے ہوئے دیکھ کر سٹپٹائے گئے۔ جلدی سے اس کا دوپٹہ اٹھا کر بنی کی طرح آنکھوں پر رکھ لیا تھا، پھر بڑی لاپروائی سے آسمان کی طرف دیکھ کر بولے "کب ہو گا؟"

"چھ مہینے بعد۔"

"اوہ تب تک تو میرا رزلٹ بھی نکل آئے گا۔ "وہ ٹالنے لگے۔ مگر علیمہ اگر روئے گا تو ہم اسے بہت ڈانٹیں گے۔

علیمہ کا دل جھونکے کھانے لگا، کانوں سے اس بد نصیب کے رونے کی آواز کیسے پہنچے گی سرکار کے کانوں میں، بے حیا اور ماں کی طرح سخت جان ہوا تو شاید دوسرے لونڈی بچوں کے جھرمٹ میں پل جائے گا باپ اسے پہچانے گا بھی نہیں بیٹا نہیں غلام ہو گا کپڑوں پر استری کرے گا جوتے پالش کرے

گا۔

شاید جوتے کا تسمہ باندھتے وقت باپ بیٹے کی نظر ٹکرا جائے، پھر کیا ہو گا؟

اور اگر بیٹی ہوئی تو پیر دبانے کی عزت حاصل کر کے گاؤں میں زندگی کا تاوان ادا کرنے چلی جائے گی۔

مگر حلیمہ کی زبان کو تالا لگا ہوا تھا۔ بوبو نے کہہ دیا تھا۔ ملزادی اگر صاحبزادے کو بھڑکانے کی کوشش کی تو بوٹیاں کر کے کتوں کو کھلا دوں گی۔

"حلیمہ تم گاؤں نہیں جاؤ گی۔"

"ایسی باتیں نہ کیجئے۔"

"میں تمہیں جانے نہ دوں گی۔"

للہ میرے بھولے سرکار۔

مگر انہوں نے اسے بولنے نہ دیا۔ بوبو کہتی تھیں پیٹ والی عورت سے مرد ذات کو گھن آتی ہے۔ تو یہ کیسا مرد تھا کہ بالکل وہی پہلے دن کا سا پیار۔

دوسرے دن چھمن میاں نے کالج کو تو ماری لات اور اپنی اکیلی بستی کا دفد لے کر ہر دروازے پر دہائی دے ڈالی۔

"بھائی جان، حلیمہ کو گاؤں کیوں بھیج رہے ہیں۔"

"میاں، محل کا پرانا دستور ہے۔"

"وہ گائے بھینس نہیں میرے بچے کی امانت دار ہے۔"

صاحبزادے کا چہرہ تمتما اٹھا۔ بھئی حد کرتے ہو تم بھی، یہ باتیں ہمارے سامنے کہتے ہوئے، تمہیں شرم نہیں آتی، لاحول ولا قوۃ۔ وہ بھنا کر اٹھ گئے۔

محل کی پالیٹکس میں مردوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ پیاری مائیں جب مناسب سمجھتی ہیں چاق و چوبند باندی پیر دبانے کو مہیا کر دیتی ہیں۔ جب اسے صحت کے لئے مضر سمجھتی ہیں۔ دوسرے کاٹھ کباڑ کی طرح مرمت کے لئے بھجوا دیتی ہیں۔ عیوض پر دوسری آ جاتی ہے۔ باندی سے جسم کا رشتہ ہوتا ہے شریف آدمی دل کا سودا نہیں کر بیٹھتے۔

"افضال بھائی پیاری امی سے کہیے حلیمہ کو گاؤں نہ بھیجیں" انہوں نے اپنے چچازاد بھائی کی خوشامد کی۔

"اماں دیوانے ہوئے ہو، پیٹ والی عورت صحت کے لئے مضر ہوتی ہے کیوں اتنا سٹپٹاتے ہو، دوسرا انتظام ہو جائیگا۔" انہوں نے ہنس کے ٹال دیا۔

"مجھے دوسرا انتظام نہیں چاہیئے۔"

"اور پھر دسمبر میں تمھارا نکاح ہے حرمہ بی بی سے۔"

"میں حرمہ سے شادی نہیں کروں گا۔"

"پھر۔"

"حلیمہ میری بیوی ہے۔"

"نکاح ہو گیا؟"

"میں اس سے ہی نکاح کروں گا۔"

"اور اب تک جو کچھ کرتے رہے وہ کس حساب میں آئے گا۔"

"وہ، وہ۔۔۔۔۔ چھمن بوکھلا گئے۔"

"میاں بیٹے خیریت اسی میں ہے کہ بس جو ہوتا ہے ہو تا رہے تمہاری بلا سے۔ جو صنوبر کے ساتھ ہوا، میں وہ حلیمہ کے ساتھ نہیں ہونے دوں گا۔"

"شی آہستہ بولو۔ حشمت میاں سنیں گے تو کبیدہ خاطر ہوں گے۔"

وہ بد نصیب بس اتنی ہی عمر لے کر آئی تھی، واللہ جب اس کا جنازہ اٹھا ہے تو حشمت سنبھالے نہ سنبھلتے تھے۔

"حلیمہ گلاؤں جائے گی تو میں کالج چھوڑ دوں گا۔" انہوں نے اعلان کر دیا۔

"اچھاجی صاحبزادے کی یہ مجال۔" بیگم کا خون کھول گیا۔

"سرکار بال ہٹ کا کوئی علاج نہیں۔" بوبو نے ہی بات سنبھالی۔

"اسے ضد کرنا آتی ہے تو ہمیں بھی داب دینا آتا ہے۔ اب تو چاہے میری میت اٹھ جائے نامراد حلیمہ یہاں ایک گھڑی نہیں رہ سکتی، پرسوں درسوں نہیں نایاب تم اسی وقت تیاری کرو۔ قسم جناب ۔۔۔۔"

"ہے ہے سرکار قربان جاؤں قسم نہ کھائیے گا۔ میری عرض تو سن لیجیے۔"

"غارت ہو مجھے عرض طول نہیں سننا موئی اوندھی باتیں۔"

سرکار اگر اوندھی سیدھی کہوں تو یہ پاپوش موجود ہے۔ آپ گنتے کا بھی مت

"اے توبہ کبھ چلو اللہ ماری کیا بات ہے۔"

"نجم بٹیا بھی تو اللہ رکھے امید سے ہے، فراغت پا کر ولایت جانے کا ارادہ ہے۔"

"اس کا کیا ذکر ہے، خدا جیتا رکھے میری بیٹی کو۔"

"آمین، تو گود والے کو ولایت سنگ تو نہ لے جائیں گی۔"

"وہاں موئی کمسترن میں گوشت کی بوٹی کو، دیوانی ہے جو لے جائے گی۔"

"اور وہ دولہا نواب کا اکیلا جانا بھی درست نہیں، وہ نگوڑی فرنگن پھر لگ گئی تو قیامت ہی آ جائے گی۔

"اے ہے نایاب دیوانی ہو گئی ہو، اس وقت اس پیاروں چینی میم کی میت کاہے کو پیٹنے بیٹھ گئیں۔ بڑی ہی موئی عقل پائی تھی بیگم نے۔

"اللہ جانتا ہے بیگم آپ تو زبان کترے لیتی ہیں، منہ جلی کی پوری بات تو سن لیں کوئی اور ہوتی تو نایاب ایک رہپٹ دیتیں ایسا کہ دانت جھڑ جاتے، آبدیدہ ہو کر بولیں۔" آپ کا نمک کھایا ہے تو ---"

"اچھا ہوا، مگر کچھ پھوٹ بھی چلو منہ سے۔"

"نجم بٹیا اور حلیمہ کا بس دو چار دن کا فرق ہو گا۔ خیر سے اگر ہفتہ بھر کا فرق بھی پڑا تو کوئی بات نہیں۔"

"ہوں۔" اب بیگم کی سمجھ میں بات بیٹھنے لگی۔

"نجم بٹیا بھی زحمت سے بچ جائیں گی۔ اچھا پاک دودھ بھی بچے کو ملے گا۔"

ابھی چھ مہینے پڑے ہیں خیر سے وقت پر بلا لیا جائے گا۔ اس وقت تو مردار کو دفع کرو۔" بیگم اڑ گئیں۔

"جو حکم سرکار کا۔ مگر گاؤں میں اچھی دیکھ بھال نہ ہوئی تو ---- لونڈیا دھان پان تو ہے ہی، یہاں نظروں کے سامنے رہے گی میرے ہاتھ کے نیچے۔ موئی کو اچھی طرح ٹھساؤں گی۔ اور پھر صاحبزادے کی ضد بھی پوری ہو جائے گی۔"

"ضد ہی تو نہیں پوری کروں گی، بس۔" مگر بیگم ذرا نرم پڑ گئیں۔

"آپ کی مرضی، پر اتنا عرض کروں گی، بس کچھ دن جاتے ہیں کہ میاں کا جی بھر جائے گا۔" اپنا کام نکلے گا، ان پر چھدا دھرا جائے گا۔

اللہ جو گھر میں بوبو مردار نہ ہوتیں تو کیا ہوتا۔

نیوٹن کے سر پر سیب گرا تو یہ بات ذہن میں آئی کہ جو چیز اوپر سے گرتی ہے وہ زمین کی کشش سے کھچ کر نیچے آتی ہے کہ قانون قدرت ہے۔

نایاب کے پیٹ میں جب جبار نے نزول فرمایا تو فرحت نواب ٹھنڈے پڑ گئے۔ جب عورت حاملہ ہو جاتی ہے تو مرد کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے کہ یہ قانون قدرت ہے۔

مگر چھمن میاں قانون قدرت اور نایاب بوبو دونوں کو جھٹلا رہے تھے۔ کیونکہ وہ دیوانے تھے کہ پیر کی جوتی کو کلیجہ سے لگا رکھا تھا۔ ایسی بے حیائی تو کسی نوابزادے نے کسی بیگم کے معاملے میں نہیں لادی۔ سر جھکائے مارا مارا زچہ بچہ کے رکھ رکھاؤ پر کتابیں پڑھی جا رہی ہیں۔ سارا جیب خرچ باندی کے لئے وٹامن کی گولیاں اور ٹانک لانے میں خرچ ہو رہا ہے۔

"تم تو پاگل ہو، لال، ہرے پالنے کے خواب دیکھتی ہے، ہم اٹھا کر پھینک دینگے نجم بجیہ کے بچے جیسی گوٹ لائیں گے۔ ہم نے اسٹور میں ایک بے بی باسکٹ دیکھی ہے۔"

"باسکٹ" حلیمہ احمقوں کی طرح پوچھتی۔

"ہاں بیت کی بنی ہوئی ٹوکری۔"

"چھی، کوئی بلی یا کتے کا بچہ ہو گا جو ڈلیا میں رکھو گے۔ میں تو چاندی کی گھنٹیوں والا پالنا لوں گی اچھے نواب کے پوت جیسا۔

"لو جی پالنے گڑھے جائیں گے دیکھ رہی ہو نایاب۔" بیگم نے پالنے کا ذکر طرحدار خان سے سنا جسے بالا ہی بالا چھوٹے سرکار نے تخمینہ معلوم کرنے کو کہا تھا۔

"جی سرکار سب دیکھ رہی ہوں، پر پالنے میں جھولے گا وہ جو جئے گا۔ ان دنوں یہ اٹھکیلیاں اچھی نہیں ہوتیں، اندر ہی اندر بچے کا خون خشک ہوتا ہے۔"

"اونہہ خاک ڈالو، اچھا تم نے جبار سے کہا کہ جوہری صاحب کے ہاں ہو آئے۔"

"جی ہاں بیگم، وہ انشاءاللہ جمعہ کی نماز کے بعد حاضر ہو جائیں گے۔"

"یہ بھی کہلوا دیا ہے کہ نئے فیشن کے رنگ لادیں کہیں ڈھونٹا کھسی نہ اٹھا لادیں۔ حرمہ بٹیا نئے فیشن کی ہیں۔"

"اے سرکار مجھے نری گدھیا سمجھا ہے۔"

"میں تو کہتی ہوں حرمہ آپ پسند کرلیں تو اچھا ہے۔"

"آپ پسند فرمالیجئے، پھر ان کی پسند بھی لے لی جائے گی۔"

حلیمہ صحن میں بیٹھی چھمن میاں کے کرتے پر مری کا کام کر رہی تھی۔ کچ سے سوئی انگلی میں اتر گئی۔ وہ جانتی تھی وہ گاؤں کیوں نہ بھیجی گئی تھی۔ مگر اس نے چھمن کے خواب چکنا چور نہ کئے تھے۔

چھمن میاں کو ہول سوار ہو رہے تھے۔ انہوں نے اتنے قریب سے حاملہ عورت کبھی نہ دیکھی تھی۔ سنا تھا نجم باجی کے کچھ ہونے والا ہے۔ مگر وہ تو بس اوڑھے لپیٹے دھما بنی کرلیا کرتی تھیں۔ گھڑی بھر کو سلام کیا دور بھاگ لئے۔

انہیں ڈر لگتا تھا کہ حلیمہ بینڈ کی طرح پھٹ نہ جائے۔ کتابوں سے بھی کچھ تسلی نہ ہوئی تو فرخندہ نواب کے ہاں بھاگے گئے۔

فرخندہ نواب سے سب خاندان والے فرنٹ تھے۔ کیونکہ کسی زمانے میں وہ اوٹ پٹانگ محبت کر کے ہاتھ جلا چکی تھیں۔ مگر اشرف صاحب ان کے میاں پولیس میں تھے اس لئے سب کی غرض پڑتی تھی اور شرما حضوری ان کی چاپلوسی کرنا پڑتی تھی۔

ویسے بھی بیگمیں ان سے بہت کٹتی تھیں کہ وہ بہت عالم فاضل تھیں۔ ان کے بیٹے نعیم سے چھمن کی بہت گھٹتی تھی۔

ان کے پرکھوں کو بھی پتہ نہ تھا کہ پیاری امی نے ان کی دلہن کے زیورات کے بارے میں صلاح لینے کے لئے جمعہ کے روز بلایا ہے۔ فرخندہ زیر لب مسکرائیں اور وعدہ کیا کہ جمعہ کے روز آئیں گی تو ان کی حلیمہ کو بھی دیکھ لیں گی۔

پورٹیکو سے اتر کر پہلے وہ چھمن کی طرف چلی گئیں۔ نایاب بوبو کو ٹال دیا کہ نعیم نے کچھ کتابیں منگائی ہیں۔ "بھابھی دلہن سے کہو ابھی ان کی طرف آتی ہوں۔"

فرخندہ نواب نے ان کی بوکھلاہٹ پر سرزنش کی۔ "حلیمہ بالکل ٹھیک ہے پھٹنے وٹنے گی نہیں۔ اتنا چربی والا کھانا نہ کھلاؤ، پھل اور دودھ دو۔"

"نہیں مانتے زبردستی کھلاتے ہیں فرخندہ بی بی۔"

"اے لو میں فرخندہ بی بی کب سے ہو گئی، دلہن بی ہم تمہارے دولہا کی پھوپھی جان ہیں خبردار جو بی بی کہا۔ ذرا تو شرم کرو۔" انہوں نے ہولے سے چپت لگائی تو حلیمہ نے جھک کر ان کے گھٹنے پکڑ لئے۔

"سیدھی بیٹھو یا مار کھاؤ گی۔" انہوں نے پیار سے اسے بٹھالیا۔

چھمن سر جھکائے گلے میں اٹکی ہوئی کوئی چیز گھونٹتے رہے۔
"تسلیم پھوپھی جان۔" حلیمہ نے چلتے وقت ذرا سا گھونگھٹ ماتھے پر کھینچ لیا۔
"جیتی رہو میری گڑیا۔" فرخندہ جلدی سے گڑیا کے گھر وندے سے نکل گئیں۔
جب انہوں نے چھمن کی دلہن کے زیورات دیکھے تو گم سم بیٹھی رہیں۔
"اے بی کچھ رائے تو دو کہ منہ میں گھنگنیاں ڈالے بیٹھی ہو۔"
"کیا رائے دوں دلہن بھابی۔" وہ سوچ میں پڑ گئیں وہ کیوں اپنے منہ سے کچھ کہہ کے بری بنتیں۔
"کیا سوچ رہی ہو؟"
"بھابی جان زمانہ بدل رہا ہے۔ حرمہ بڑی پیاری بچی ہے مگر، وہ۔۔۔"
"ہاں ہاں کہو، وہ بڑی فیشن ایبل ہے، زیور گنوارو ہے میں تو بمبئی سے منگوا رہی ہوں۔"
"زیور کی بات نہیں ہے، بھابی دلہن آپ ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ زیورات فیروزہ باجی کو بھجوا دیں وہ جو بھی جواب دیں۔"
"اے جواب کیا دیں گی، جواب دیا ہوا ہے۔"
"پھر بھی اچھا ہے کھل کر بات ہو جائے۔۔۔۔" فرخندہ بیگم کچھ اکھڑی اکھڑی سی بیٹھیں پھر بہانے بنانے لگیں، کلب کی میٹنگ ہے ان کے جانے کے بعد بوبو اور بیگم ان میں کیڑے ڈالتی رہیں۔

نایاب زیور دکھانے کو گئیں تو پتہ چلا فیروزہ نواب تو اپنی کسی ملنے والی کے ہاں گئی ہیں۔ حرمہ گیند بلا کھیل رہی ہیں۔ سو آئیں گی جب فرصت ہو جائے گی۔ بوبو کا خون کھولنے لگا، اماں جان غائب بیٹی لونڈوں کے سنگ قرانے بھر رہی ہے۔ جوان بھائی کھی کھی منہ پھاڑے ہنس رہا ہے۔ ڈوب مرنے کا مقام ہے نایاب بھی چوکوں پر دھنا دے کر بیٹھ گئیں۔ بلا بلاتی ہوئی نوابزادی دھم دھم کرتی آئیں۔ مہری نے کچھ کھسر پھسر کہا۔ جانے کیا گٹ پٹ کرتی غڑاپ سے کمرے میں۔
نایاب کہاں چھوڑنے والی تھیں پیچھے لگ گئیں۔ بکس کھول کھول کر مسہری پر سجانے لگیں۔
"یہ کیا ہے؟" بڑی کھری آواز میں بولیں۔
"زیورات، رانی بٹیا پسند فرمائیے۔"
"کیوں؟"
"نواب دلہن نے بھیجے ہیں، اگر ان میں سے کوئی نگ پسند ہو تو فرما دیجئے۔ باقی بمبئی آرڈر جا رہا

ہے۔"

"میں کیوں پسند فرماؤں؟"

"چھوٹے سرکار چاہتے ہیں آپ کی پسند معلوم کی جائے اور۔" یہ انہوں نے دل سے لگائی۔

"کون چھوٹے سرکار چھمن میاں۔" لڑکی کا چہرہ تمتما گیا۔

ہے ہے شرما رہی ہے اللہ تیرا شکر ہے بوبو کا جی ٹھہر گیا۔ کیا تڑ سے چھمن میاں فرمادیا۔ توبہ یہ آج کل کی لڑکیاں۔

"جی ہاں۔"

"اوہ، مگر حلیمہ بی کے لئے میری پسند کے زیوروں کی کیا ضرورت ہے۔"

حرمہ لاپرواہی سے مڑ کے کٹے بالوں میں برش گھسیٹنے لگی۔

نایاب بوبو کے بجائے کوئی ایسی ویسی ہوتی تو تین فٹ اچھل کے دھم سے گرتی۔ مگر وہ بڑی دل گردے کی شے تھیں، مسکرا کر رہ گئیں۔ "کیا فرمارہی ہیں بٹیا۔۔۔ چھوڑیئے مذاق۔"

اس میں مذاق کی کون سی بات ہے۔ چھمن میاں بھی دیوانے ہیں، بھلا اپنی بیوی کے لئے زیور خرید رہے ہیں تو میری پسند کی کیا ضرورت ہے۔"

"ہے ہے بیوی! کیا فرمارہی ہیں بٹیا۔"

"کیوں حلیمہ ان کی بیوی نہیں۔"

"اے خدا نہ کرے، حلیمہ باندی ہے۔"

"اچھا وہ بچہ تو چھمن میاں کا ہے نا۔"

"بچہ؟ بوبو کے پسینے چھوٹنے لگے۔ "کیسا بچہ؟

"فرخندہ خالہ کہہ رہی تھیں کہ۔۔۔"

"اے نہیں بٹیا۔۔۔ وہ۔۔۔"

"بوبو، جبار کی قسم کھا کر کہو، حلیمہ۔۔۔۔"

"ہے ہے توبہ ہے بٹیا۔" بوبو کی ایسی ٹانگ کسی نے نہیں گھسیٹی ہو گی۔ مگر وہ کہاں لات کھانے والی تھیں فوراً ہنسنے لگیں۔

"اے بٹیا آپ بھی غضب کرتی ہیں۔ نواب زادے ہیں، لونڈی باندی سے تو جی کا بہلاوا ہوتا ہے، موئی سے شادی بیاہ نہیں ہوا کرتا۔"

"ہوں، تو نواب زادے شادی کس سے کرتے ہیں؟ ہم نوابزادیوں سے۔"

"اور کیا بٹیا۔" بوبو کی بوکھلاہٹ بڑھتی جارہی تھی۔

"حشمت بھائی کی بھی تو ایک باندی تھی، کیا نام تھا صنوبر۔۔۔" بوبو جواب ٹال گئی۔

"ایک بات پوچھوں، سچ سچ بتاؤ گی۔" حرمہ قریب کھسک کر بیٹھ گئی۔

پوچھئے شوق سے۔" بڑی مری ہوئی آواز گلے سے نکلی۔

"نوابزادوں کی باندیاں ہوتی ہیں تمہیں جبار کی قسم سچ بتانا نواب زادیوں کے بھی۔۔۔۔۔"

"ہے ہے بٹیا۔۔۔" بوبو نے اپنا منہ پیٹ لیا۔ ذرا شرم کیجئے۔

توبہ ہے بچی جہاز کا کانٹا ہو گئی۔ اماں جان نہیں اس لئے مجھ بڑھیا کی گت بنا رہی ہیں وہ ہوتیں تو مجال نہیں یوں میرے منہ پر جوتیاں مارتیں، بیٹی ان گنوں دیکھنا ہے۔ کس کے گھر کا نام روشن کرد گی، نواب زادی تو ہے مگر معاف کرنا بٹیا یہ گز بھر کی جیب لے کر کسی اونچے خاندان میں تو ذرا مشکل سے ہی گزرے گی۔ وہ کھٹا کھٹ ڈبے بند کرنے لگیں۔

"اللہ نہ کرے جو میں اونچے خاندان میں گذر کرنے جاؤں۔"

"بس بس میرا منہ نہ کھلواؤ۔"

"اے ہے بوبو میں نے تمہیں تو کچھ نہیں کہا۔"

"جن کا ساری عمر نمک کھایا انہیں کہا، میری سات پشتوں کو کہا۔"

"اچھا معاف کردو بوبو خطا ہوئی بس۔ ہاتھ جوڑتی ہوں۔"

مگر بوبو بھنبھناتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

یہ برآمدے سے اتر رہی تھیں کہ فیروزہ خانم کی موٹر آن کر پورٹیکو میں رکی۔ انہیں منہ تھوتھائے ڈبے دیکھ کر حواس باختہ ہو گئیں۔

"اے نایاب خیر تو ہے۔ دلہن بیگم تو اچھی ہیں، نجم بٹیا کا مزاج کیسا ہے۔"

"سب اللہ کا فضل ہے سرکار آپ کی دعا ہے" منہ پھولا رہا۔

"اے چلیں کہاں، کیا ہوا گھوڑے پر سوار ہو کر آئی ہو۔ یہ ڈبے کیسے ہیں۔"

زیورات، بیگم صاحب نے۔۔۔۔"

"اے لاؤ دیکھیں۔" وہیں برآمدے میں بیٹھ کی کرسیاں پڑی تھیں وہ ڈبے کھول کر دیکھنے لگیں۔

بٹیا کو دیکھا کر پسند فرمانے کے لئے بھیجے ہیں۔ مگر وہ تو۔۔۔۔"

"اچھا!" فیروزہ خانم سمجھ گئیں۔ "بیٹھو نایاب۔" انہوں نے لونڈے کو شربت لانے کا حکم

دیا۔ پھر سوچ میں ڈوب گئیں۔

"کیا سوچ رہی ہیں سرکار۔"

"کچھ نہیں نایاب! فیروزہ خانم نے ٹھنڈی سانس بھری۔ کیا بکواس کر رہی تھی یہ لڑکی تم سے؟"

"مجھے، اے ہے بیگم مجھ نگوڑی سے صاحبزادی کیا کہیں گی؟"

"مدن۔ ذرا میرا صندوقچہ لاؤ۔" مدن صندوقچہ لائی تو انہوں نے طلائی پہنچیاں نکال کر بوبو کی گود میں ڈال دیں۔

"اے اس کی کیا ضرورت تھی سرکار، خدا آپ کو شادو آباد رکھے۔"

"ڈورے بدلوا لینا۔" انہوں نے پھر زیورات کے بکس کھولے اور ان کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنے لگیں۔

"اللہ اور اللہ کے رسول نے چاہا تو خالی مہینہ چھوڑ کے بس نکاح رخصتی سب ساتھ ہی ہو جائے گا۔"

واپس آکر انہوں فیروزہ خانم کے پسند فرمائے زیورات اپنی سرکار کے سامنے رکھ دیے، نہ نیفے میں آڑی ہوئی طلائی پہنچیوں کا کچھ ذکر آیا نہ حرمہ بٹیا کی گز بھر کی زبان کا؟ وہ سب کے دکھ سکھ میں شریک تھیں۔ بیچاری فیروزہ خانم بیٹے اور بیٹیوں کی منہ تنگافیوں سے نالاں تھیں۔ بڑی صاحبزادی نے وہ گل کھلانے کہ توبہ ہی بھلی! وہ تو کہو آنکھ کا اندھا گانٹھ کا پورا مل گیا، وہ بھی نیچے اتر کر، نوابوں میں تو سونے میں تول کر دیتیں تو کوئی نہ قبولتا۔ بہنا کتنا ستوا بچہ بچہ ہوا تو برادری میں وہ تھو تھو ہوئی ہے کہ کچھ کہیے نہیں۔

یہ سب کیا دھرا فرخندہ نواب کا ہے، وہی بس گھولتی پھرتی ہیں نئی پودے خون میں۔ خیر ان کی بلا سے انہوں نے پہنچیاں طرح دار خان کو دیں کہ ڈورے بدلوادو سبز نہ ڈلوانا، راس نہیں مجھے سبز رنگ۔

"کتنا اچھلتا ہے باجی؟" چمن اس کے چاندی جیسے تنے ہوئے پیٹ پر، ہتھیلیاں رکھے قدرت کی ہنگامہ آرائیوں پر متحیر ہو رہے تھے "ہم، بہت مارا کریں گے سؤر کو۔"

"اوں ہوں، کہیں مارا نہ ہو۔"

"ہم اس کے ابا ہیں بدمعاشی کرے گا تو پٹے گا۔"

"مارا کریں گے کبھی پیار بھی کریں گے۔ نظر پڑے گی تو جھینپ تو نہ جائیں گے؟"

"مارے، بہت پیار کریں گے۔" انہوں نے حلیمہ کے دھڑکتے ہوئے پیٹ کو چومنا شروع کیا۔

بھیج رہی تھیں پر سروری نے ان کے پیر پکڑ لئے۔

"بوبو، جبار کو موٹر لے کر بھیج دو۔ ٹیلی فون سے کام نہیں چلے گا۔"

"اے میاں کاہے کے لئے؟"

"حلیمہ ۔۔۔۔۔۔ ان کا حلق سوکھ گیا ۔۔۔۔۔ حلیمہ وہ ۔۔۔۔"

"ڈاکٹرنی نہیں اس کے لئے تو ولایت سے میم آئے گی، بے حیا مردار، لونڈیوں باندیوں کا دماغ ساتویں آسمان پر چڑھنے لگا ہے ان باتوں سے۔ جائیے آپ کے دوست نسیم میاں کا فون آیا تھا ان کی سالگرہ ہے۔ او سروری کی بچی نامراد، میاں کا وہ چوڑی دار پاجامہ نکال اور شیروانی۔" وہ چلنے لگیں۔

"بوبو حلیمہ۔"

"اے میاں کیا کہنے آئی تھی آپ نے بالکل ہی بھلا دیا آپ کی پیاری امی کی طبیعت ناساز ہے، نسیم میاں کے جاتے وقت ذرا حکیم صاحب کے بھی ہوتے جائیے گا۔ میں جبار سے کہتی ہوں موٹر نکالے۔" دھم دھم کرتی اتر گئیں۔

چھمن بوکھلائے ہوئے کمرے میں لوٹ آئے۔ بیٹھے، پھر تڑپ کر اٹھ کھڑے ہوئے، پھر جلدی سے الٹے سیدھے کپڑے بدن پر ڈالے، انہوں نے کتنی باندیوں کی موت دیکھی تھی۔ صنوبر کی لاش مہینوں انہیں خوابوں میں نظر آتی رہی تھی۔ حلیمہ بھی تو پھول سی بچی ہی تھی۔ خون کی کمی کی وجہ سے دق کی مریضہ لگتی تھی۔ وہ سیدھے بڑے بھائی کی طرف بھاگے۔

"بھائی جان۔"

"کیا ہے؟" وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے۔ بڑی آنکوے کہ شہہ لگی ہوئی تھی۔

"وہ، وہ ۔۔۔ ذرا آپ سے ایک بات کہنا ہے۔" انہوں نے لرزتے ہاتھوں سے ان کی آستین کھینچی۔

"ٹھیرو میاں، ذرا یہ بازی دیکھو، کیا ٹھاٹ جمایا ہے، اے بھائی قدوس شہہ بچیئے ورنہ۔"

بھائی جان چھمن کا دم نکلنے لگا۔

"بیٹھو ذرا، ہاں بھئی قدوس۔" شکر ہے جلد ہی بازی ختم ہو گئی۔ کوئی بیس منٹ لگے مگر چھمن پر بیس صدیاں گذر گئیں۔ قدوس سے رات کے پروگرام کے بارے میں دروازے پر بحث ہوتی رہی۔ چھمن بیٹھے لرزتے رہے۔

"ارے ہاں بھئی کپ مار دیا تم نے مبارک ہو۔" انہوں نے پلٹ کر بڑے جوش سے کہا۔

پر بیٹھے رو رہے تھے۔ اٹھارہ برس کا لوٹھا دودھ پیتے بچوں کی طرح مچل رہا تھا۔ دھاروں دھاروں رو رہا تھا۔

ابا حضور غصے سے گرج رہے تھے، اگر بیگم نے دورہ نہ ڈال لیا ہوتا تو وہ اس ننگ خاندان کی ہنٹر سے کھال ادھیڑ دیتے۔ جس دن انہوں نے سنا تھا کہ فرزندار جمند نے لونڈی کو ٹھکانے لگا دی تو ان کی گھپے دار مونچھیں مسکراہٹ کے بوجھ تلے لرز اٹھی تھیں۔ بڑے صاحبزادے تو دغا دے ہی گئے اگر چھوٹے بھی اسی راہ نکل گئے ہوتے تو جائداد کا وارث کہاں سے آتا؟

ایسا تماشہ لوگوں نے کبھی دیکھا نہ سنا تو کرہنس رہے تھے، باندیاں ٹھٹھی کر رہی تھیں۔ ادھر بان کے جھلنگے میں پڑی حلیمہ مورنی کی طرح کوک رہی تھی۔ کھرے پھانسوں دار بان سے اس کی ہتھیلیاں چھل گئی تھی۔

"ہائے سروری وہ گیلے فرش پر بیٹھے ہیں انہیں اٹھا دہاں سے جنم جلی۔ سردی لگ جائے گی ان کے دشمنوں کو۔" اگر درد کے بے رحم حملے اسے دار دیتے تو وہ انہیں اپنی سر کی قسم دے کر زمین سے اٹھا لیتی، نہیں قسم قرآن کی ان سے کوئی شکایت نہیں۔

مگر دردوں کی مہیب موجیں اس کے پسینے میں ڈوبے بے ڈول جسم کو بھنبوڑ رہی تھیں اس نے اپنے ہونٹ چبا ڈالے کہ اس کی آواز سن کر نوشہ دیوانے نہ ہو جائیں۔ پر دل کے کان سب سن لیتے ہیں۔ چھمن پر نزع کی کیفیت طاری تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ پتھر پر سر دے ماریں۔ کہ یہ کھولن پاش پاش ہو جائے۔

کہ دور سے کسی نے ایک دم پکارا۔ غم واندوہ کے گہرے کنوئیں سے انہیں اوپر کھینچ لیا۔ انہوں نے پورٹیکو سے سائیکل اٹھائی اور ویسے ہی کیچڑ میں لت پت تیزی سے پھاٹک سے بال بال بچتے ہوئے نکل گئے۔

"ہائے میرے لال۔" بیگم نے ہوش میں آکر چھاتی پیٹ لی۔

"اے بے چھمن خیر تو ہے۔"

کیچڑ میں سر سے پیر تک نہائے آنسو کے دریا بہاتے چھمن ہچکیوں سے نڈھال رو رہے تھے۔

حلیمہ ۔۔۔۔ پھپو۔"

"اچھی تو ہے۔"

"مر گئی، مر رہی ہے ۔۔۔ پھپو ۔۔۔ کوئی نہیں سنتا میری کوئی نہیں سنتا۔"

تین اناڑی

کے مستقبل پر رشک آنے لگتا ہے۔ جو شرارتیں آج تم کرتے ہو، وہی کل ہم نے بھی کی تھیں اور وہ دن بھی ایک دن آئے گا جب یہی شرارتیں تمہارے بچے کریں گے۔ انسان کی زندگی ایک درخت جیسی ہے۔ کلہ پھوٹتا ہے۔۔۔۔۔ پودا پروان چڑھتا ہے۔ اس وقت وہ بالکل اناڑیوں جیسی حرکتیں کرتا ہے۔ کبھی ایک طرف ٹیڑھا ہونے لگتا ہے۔ کبھی دوسری طرف ضرورت سے زیادہ جھکتا ہے۔ کبھی کسی کی دیوار سے اڑ کر بڑھنے لگتا ہے۔ دیوار بھی چٹختی ہے اور اس کا جسم کبڑا ہو جاتا ہے۔ اگر مالی ہوشیار ہو تو وہ تم لوگوں کی طرح سینہ تان کر آسمان کی طرف اٹھتا چلا جاتا ہے اور ایک دن پھول اور پھل سے بار آور ہو کر دنیا کو فیض پہنچاتا ہے۔

تم بھی بڑھتے ہوئے پودے ہو۔ اچھی سینچائی اور رکھوالی نے تمہارا مستقبل روشن بنا دیا ہے۔ پھر اب میں تمہیں کیا نصیحت کروں۔

تم خود میرے لیے بہت دل چسپ ہو!

عصمت چغتائی

سے بھیگے ہوئے ریت کے بورے پھسل گئے۔ دو دن سے تینوں خالی ڈبوں کی طرح ادھر ادھر لڑھک رہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کریں۔ تین مہینے کی چھٹیاں کیسے کاٹی جائیں۔ اگر لڑائی جھگڑا کیا تو ظاہر ہے سخت کندی ہو گی۔ گرمی کے مارے سب کا موڈ ویسے ہی خراب ہو رہا ہے۔

"کوئی ترکیب سوچنا چاہیے بھئی۔" ببلو نے تجویز پیش کی۔

"دو۔ تین۔ پانچ کھیلیں۔" ٹینو نے رائے دی۔

"ہشیار بور ہو گے۔ دو۔ تین۔ پانچ سے۔" ٹکو بولے۔

"کوئی ڈرامہ کریں۔ ہیں؟

"بھئی ہم نہیں کرتے ڈرامہ۔" ٹینو چڑا۔

"ٹینو صاحب آپ تو گدھے ہیں۔" ٹکو نے فیصلہ کیا۔ "جناب اتنا شاندار ڈرامہ ہو گا کہ کیا بتائیں۔"

"جیسے کی آپا وغیرہ دہلی فیسٹیول میں گئی تھیں ہم بھی جا سکتے ہیں۔"

ایک دم فرسٹ کلاس ڈرامہ تیار کریں۔ ٹکٹ لگا کر کریں۔"

"ایں ہیں بھئی ہم نہیں خریدیں گے ٹکٹ۔" ٹینو بگڑے۔

"تم تو بے وقوف ہو۔ بھئی تم تو اس میں خود پارٹ کرو گے تمہیں ٹکٹ تھوڑی لینا پڑے گا۔" ببلو نے کہا۔

"اور جناب کیا تعجب ہمارے ڈرامے کو انعام مل جائے۔" ٹکو نے پلان پھیلایا۔ "اور پھر ہم ڈرامہ کمپنی کھول لیں گے۔"

"ایں ہیں کچھ جو کھول پائیں، اماں جو ماریں گی۔" "یہ بزرگ کچھ جو کرنے دیں!

"جی ہاں کیوں ماریں گی اماں۔ کیوں ٹکو پھر شروع کر دیا۔"

"ببلو نے شوق سے آنکھیں چمکائیں۔

اب سوال یہ تھا کہ کون سا ڈرامہ کھیلا جائے۔ ہر کہانی میں کمبخت شہزادی ضرور ہوتی ہے۔ شہزادی کس کو بنایا جائے۔ عذرا پروین کے نخرے کون سہے۔ ویسے ان کے پاس عید کے لال جوڑے موجود ہیں اور جھل مل کرتی اوڑھنیاں بھی ہیں۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ الگ الگ پیدا ہو کر بھی دونوں جڑواں بنی رہتی ہیں۔ جہاں عذرا جائے پروین بھی جائیں گی۔ جس سے عذرا لڑیں گی پروین فوراً اس کا منہ کھسوٹ لیں گی۔ اگر عذرا کنوئیں میں کودیں تو شرطیہ پروین بھی کود پڑیں گی۔ ایک کو شہزادی بناؤ تو دوسری روٹھی جاتی ہے۔ خیر روٹھ جائے بلا سے! مگر وہ تو عین رنگ میں بھنگ کرنے پر تل جاتی ہے۔

رہتی ہیں کہ وہ اپنی روزی خود نہیں کماتے۔ جو کما کر لاتے ہیں ان کے بڑے لاڈ کیے جاتے ہیں۔

"مگر کیسے؟" بیلو سے کوئی دو۔ تین۔ پانچ کھلوا لے مگر ڈبیا ڈھونے کے کام سے اس کی جان نکلتی ہے۔ بھد یسلہ ہے نا!

"جناب دولت کمانے کے لکھو کھا طریقے ہیں۔" ککو نے پیارے ماموں کا جملہ دہرایا۔ "اگر کہیں سے تھوڑا سا گڑ مل جائے تو۔"

"گڑ" بیلو کی آنکھوں میں رونق آ گئی۔ دادی اماں کو گڑ سے اللہ واسطے کا بیر ہے۔ "بس زیادہ گڑ مت کھاؤ پیٹ خراب ہو جائے گا۔"

کبھو بھلا پیٹ نہ ہو گیا روئی کا پھویا ہو گیا کہ پاؤ ڈیڑھ پاؤ گڑ سے بگڑ بیٹھے گا۔

"گڑ چنے کی ٹافی بنائی جائے۔" ککو نے تشریح کی۔

"ٹافی بنے گی تو چکھنا تو پڑے گی۔" ٹیٹو نے تخیل میں ٹافی چکھ کر چٹخارہ لیا۔ "پھر؟"

"پھر یہ کہ ٹافی کی چھوٹی چھوٹی پڑیاں باندھ کر بیچی جائیں۔ اس سے جو منافع ہو تو اور گڑ خریدا جائے، اور ٹافی بنائی جائے۔" یہ ککو پکا بنیا ہے۔ کسی دن ٹاٹا اور برلا کا دیوالہ نکال کر چھوڑے گا کیا کیا تکڑمیں لڑاتا ہے۔

"پھر جناب ٹافی کی دکان کھولی جائے، ہیں نا۔" ٹیٹو چہکے۔

"جی ہاں، دکان سے کیا ہو گیا پورا کارخانہ کھولا جائے۔ پھر سارے ہندوستان میں ٹافی بیچی جائے۔"

مگر سوال یہ تھا کہ گڑ کہاں سے ملے۔ بی اماں تالے میں رکھتی ہیں شکر اور گڑ۔

"بس ایک ترکیب کی جائے۔" ککو عرف لال بجھکڑ بولے۔

"کیا؟"

"ہر گھر میں جا کر تھوڑا گڑ مانگا جائے۔"

"اماں یار جوتے کھلواؤ گے۔ ہماری تو اماں اتنا ماریں گی کہ پلپلس بنا دیں گی۔"

"بھلا اماں کیوں ماریں گی۔ یوں تھوڑی مانگیں گے کہ کسی کو پتہ چلے۔ ٹیٹو جائیں بیگم اماں کے پاس اور کہیں تھوڑا سا گڑ دے دیجیے بی اماں نے مانگا ہے۔ اور بیلو تم جاؤ بی اماں کے پاس کہ بیگم اماں نے گڑ مانگا ہے۔ اس طرح اماں اور آپا سے دادی اماں اور خالہ اماں سے الگ الگ جا کر گڑ مانگا جائے۔"

"قیصر خالہ سے بھی۔" ٹینو نے آنکھیں چمکائیں۔

"ہاں اور افسر آپا اور زرینہ آپا سے بھی۔"

کر باہر بھاگے۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ پسینے کی لمبی لمبی ڈوریاں چہرے پر پھسل رہی تھیں۔ پاجامہ کچھ زیادہ ملگجا ہو رہا تھا۔ غرض یہ کہ پریشانی اور گھبراہٹ کا چلتا پھرتا اشتہار بنے ہوئے تھے۔

"کیا ہوا وسیم بھائی ۔۔۔۔۔" سیڑھیوں پر لپکتے ہوئے بیلو نے پوچھا۔ وہ ایک دم ٹھٹک کر گرتے گرتے بچے۔

"دیکھو کوئی آدمی آئے اور پوچھے وسیم صاحب کہاں ہیں تو کہہ دینا مر گئے ہوئے ہیں۔" انہوں نے کھسیا کر کہا۔

"کیوں؟" مینو نے آم کی گٹھلی زور سے سڑک پر گزرتے ہوئے کتے کی ٹانگ میں مار دی۔ وہ ہیں ہیں کرتا ہوا جھاڑیوں میں گھس گیا۔

"کیا بات ہے وسیم بھائی۔" بیلو کو چھپی چھپول میں وسیم بھائی کی چلا کر کہہ دینے کی عادت یاد آ گئی کہ "ہمارے کمرے میں کوئی نہیں چھپا ہے۔ یہاں کوئی نہ آئے۔"

"ہم جھوٹ نہیں بولتے۔" ٹکو نے صاف جھوٹ بولا۔

"آپ تو گدھے ہیں۔ معلوم ہے کون تین دن سے میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔" وسیم بھائی نے رازداری سے اکڑوں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کون؟ سلطانہ ڈاکو۔" ٹکو بولے۔

"اس سے بھی زیادہ خطرناک آدمی ۔۔۔۔۔ انکم ٹیکس افسر!"

"انکم ٹیکس کیا ہوتا ہے یار بیلو۔"

"کیوں وسیم بھائی انکم ٹیکس کیا ہوتا ہے۔"

"اماں یار نہایت واہیات چیز ہوتی ہے اب تمہیں کیا بتائیں جرمانہ ہوتا ہے۔" وسیم بھائی کراہے۔

"جرمانہ! ۔۔۔۔۔ اور جو نہ دو تو؟"

"جیل میں سڑو۔" غم غلط کرنے کے لیے انہوں نے بالٹی میں سے ایک موٹا سا آم پکڑا مگر ابھی پلپلا ہی رہے تھے کہ کوئی آدمی سائیکل پر سوار پھاٹک میں داخل ہوا۔ وسیم بھائی بغیر چپل اٹھائے بم کے دلے کی طرح اندر گھس گئے۔ آم سمیت۔! تینوں نہایت بے اعتباری سے دادر کو دیکھنے لگے۔

"ظفر منزل کو کون سا راستہ جاتا ہے میاں۔" سائیکل سوار نے سیڑھیوں پر پیر ٹکا کر پوچھا۔

"کیوں کیا کام ہے ۔۔۔۔۔ کیوں پوچھ رہے ہو۔" ٹکو بھڑکے۔

"جھوٹ بول رہا ہے ۔۔۔۔۔ اصل میں یہ وسیم بھائی کی تاک میں ہے۔" ٹکو نے بیلو کے کان

"جاؤ ٹینٹو ۔۔۔۔۔۔بلا بلاؤ۔"

"ارے واہ ہم کیوں جائیں۔" ٹینٹو آموں پر جٹے رہے۔

"بیلو یار تم ہی بلا لاؤ۔" ککو نے زور دیا۔

ارے وسیم بھائی ۔۔۔۔۔۔" بیلو نے بڑے سستی کے ہانک لگائی۔

وسیم بھیا۔آ۔آ۔آئی۔"

وسیم بھائی پہلے سے بھی زیادہ بوکھلائے ہوئے نکلے اور نئے سائیکل سوار کو دیکھ کر ان کی پنڈلیاں لرزنے لگیں۔

"آداب عرض ہے وسیم صاحب کہیئے سب خیریت؟" وہ مسکرایا وسیم بھائی نے کھا جانے والی نظروں سے تینوں کو گھورا۔ مگر کچھ بول نہیں سکے۔

"سکندر زمانی سے کہہ دینا۔ میں انکم ٹیکس کے دفتر جا رہا ہوں۔"

انھوں نے رقت بھری آواز سے کہا۔

"ارے وسیم بھائی ۔۔۔۔ تینوں ہکا بکا دیکھتے رہ گئے اور انکم ٹیکس والا مسکراتا ہوا انھیں ساتھ لے کر چلا گیا۔

"یار غضب ہو گیا۔ مارے گئے بچارے وسیم بھائی۔" بیلو نے کہا۔

"کیا گولی سے مارے جائیں گے بچارے۔" ٹینٹو خوفزدہ ہو کر بولے۔

"اماں ہٹاؤ یار نرے گاؤدی ہو تم۔ گولی وولی نہیں ماری جائے گی۔"

مگر بچارے وسیم بھائی بہت رپٹائے جائیں گے۔" بیلو افسردہ ہو گئے۔

"کیوں؟" ٹینٹو نے احمقوں کی طرح پوچھا۔

"بھئی انکم ٹیکس جو نہیں دیا انھوں نے۔"

"اُنہہ بھئی یہ انکم ٹیکس کیا ہوتا ہے ہماری بالکل سمجھ میں نہیں آتا۔"

"آپ تو گدھے ہیں، ارے انکم ٹیکس کیا ہوتا ہے یہ بھی نہیں جانتے۔" ککو حقارت سے ہنسے۔ "ذرا آپ کو دیکھئے اتنے بڑے ڈھو نگرے ہو گئے یہ بھی نہیں معلوم کہ انکم ٹیکس کیا ہوتا ہے۔"

حالانکہ بیلو کی سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا کہ انکم ٹیکس کیا بلا ہے۔ اور انھیں پکا یقین تھا کہ ککو صاحب زبردستی اینٹھ رہے ہیں۔ انھیں بھی کچھ پتا نہیں۔ مگر وہ ان سے اس وقت لڑائی نہیں مول لینا چاہتے تھے۔ کل ہی انھوں نے ایک نئی تصویر بنائی تھی۔ اگر ککو کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جاتی تو وہ فوراً اس کے خلاف ایک محاذ قائم کر لیتے۔

"ٹینو صاحب آپ نے زیادہ بد تمیزی کی تو ٹھک جائیں گے۔ ہاں۔" ٹکو نے اپنا رعب خاک میں ملتا دیکھ کر دھمکی دی۔

"ارے واہ کیوں ٹھک جائیں گے؟ ہم بھی آپ کی شکایت کر دیں گے کہ آپ نے مجیب بھائی کے کتے کے ڈھیلا مارا تھا۔"

"کب کہاں مارا تھا۔ جھوٹے۔"

"تم خود جھوٹے۔"

اور اس سے پہلے کہ تینوں گتھ جاتے ادھر سے صوفی آلہ بھنکتی ہوئی آن پہنچیں۔ تینوں نہایت مہذب اور معصوم صورتیں بنا کر بیٹھ گئے صوفی آلہ کو مار پٹائی سے سخت خوف آتا تھا۔ جہاں ذرا دھکم دھکا مذاق میں بھی تینوں نے شروع کی اور انھوں نے رپٹایا اپنے کمرے سے، صوفی آلہ کو ناراض کرنے کا مطلب تھا کہ ان تمام چاکلیٹوں اور ٹافیوں سے ہاتھ دھو بیٹھا جائے جو وہ آئے دن بانٹا کرتی تھیں۔

اس معاملے میں تینوں قطعی اناڑی نہیں تھے۔ چنانچہ فوراً پینترا بدل کر بھولی بھالی صورتیں بنا لیں۔

"صوفی آلہ آپ کو بھی جرمانہ دینا پڑتا ہے۔"

"کیسا جرمانہ؟" صوفی آلہ چکرائیں۔

"انکم ٹیکس کا۔"

"انکم ٹیکس ------ ارے بھئی انکم ٹیکس جرمانہ نہیں ہوتا۔"

"ایں؟ --- مگر صوفی آلہ -----" ٹینو ہکلائے۔

"ہے، بیوقوف انکم ٹیکس کہیں جرمانہ ہوتا ہے۔" ٹکو چالاکی سے بنے۔

"صوفی آلہ ٹینو بالکل گھونچو ہیں۔"

"آں؟ ہم کیوں ہوتے گھونچو آپ خود ہوں گے۔ جناب ابھی تو کہہ رہے تھے جرمانہ ہوتا ہے پولیس کا آدمی آتا ہے۔ پکڑ کے لے جاتا ہے۔" ٹینو چنچنائے۔

"ارے واہ ہم تو کہہ بھی نہیں رہے تھے۔ ٹینو صاحب جھوٹ بول رہے ہیں۔ دیکھیے صوفی آلہ پھر ہم انھیں مار دیں گے۔" ایک دم ٹکو مدعی بن بیٹھے۔

"ابھی ابھی تو کہہ رہے تھے! ہیں نا بیلو؟" ٹینو نے ناک پھلائی۔

بیلو کو معلوم تھا کہ ٹکو صفا جھٹلا دیں گے۔ ان کے خلاف گواہی دینے میں سراسر نقصانات ہیں۔ بات ٹالنے کے لیے وہ لمبی لمبی جمائیاں لینے لگے۔ پھر ایک دم بولے۔

بیلو کا فلسفہ چل نکلا ہے۔

"اور ننھا دھوبی بھی ٹیکس نہیں دیتا۔ سارے احاطے میں کپڑے پھیلا دیتا ہے۔ پتنگ اڑاؤ صفا رسی میں پھنس جائے گی۔ کرکٹ کھیلو گیند سیدھی کلف کی بالٹی میں جا گرے گی۔ صوفی آلہ پلیز، ننھا پر ٹیکس لگوائیے نا ڈاکٹر ماموں سے کہہ کر۔" ٹینو نے التجا کی۔

"اور صوفی آلہ، امیر خاں پر بھی ٹیکس لگنا چاہیے۔ تمام برآمدے میں دھنیا مرچیں سکھانے کو پھیلا دیتے ہیں۔" ٹکو نے رائے دی۔

"افوہ کیا تم لوگ کچر کچر بولے جا رہے ہو۔ بھئی جس کی سالانہ آمدنی تین ہزار سے کم ہو اس پر ٹیکس نہیں لگتا۔ کیا تمھاری عیدی سال بھر تین ہزار ہو جاتی ہے؟" صوفی آلہ نے پوچھا۔

تین ہزار! باپ رے باپ ۔۔۔۔ تیس روپے بھی مشکل سے ہوتے ہیں۔ عشرت خالہ فرحت خالہ ہوتے یہاں تو شاید چالیس ہو جایا کرتے۔ تینوں اپنی عیدی کو محفوظ پا کر مطمئن ہو گئے۔ بھلا کون اللہ کا بندہ اتنی عیدی دے گا جو ٹیکس لگے اور وسیم بھائی کی طرح بوکھلانا پڑے۔

"بھئی ہم کبھی تین ہزار نہیں کمائیں گے۔" ٹینو نے فیصلہ کیا۔

وہ کیوں بھئی"

ٹیکس جو دینا پڑے گا۔ بھیا ہم تو بس دو ہزار سالانہ کمائیں گے۔ ہیں بیلو؟" ٹینو کی سمجھ میں نہیں آیا کہ لوگ دو ہزار سالانہ سے زیادہ کیوں کماتے ہیں۔ کم کمانے ہی میں فائدہ ہے۔

"اور اتنے روپیوں میں گزر کیسے ہو گی۔" صوفی آلہ نے پوچھا بچے بھوکے مر جائیں گے۔ بیوی جوتیاں مار کر گھر سے نکال دے گی۔"

"آہا، جناب مزا آئے گا۔" بیلو چہکے۔ "موٹی قصائینی کے قبضے دیکھے ہیں، پیسہ نہیں کماؤ گے تو مارتے مارتے گلاب جامن بنا دے گی۔"

"اف یہ موٹی قصائینی! غریب ٹینو کی جان کو مصیبت ہو گئی تھی۔ روز کم بخت کو کھٹی ڈکاریں آتی تھیں۔ مجال ہے جو ہیضہ ہو جائے۔ ابھی پرسو آ کر کم بخت چڑانے لگی۔

" اے دولھا میاں لال اوڑھنی اور سونے کنگن لوں گی۔" اگر لوگوں نے روک نہ لیا ہوتا تو ٹینو وہیں اسے قتل کر دیتے۔

" ٹیکس ہر ایک فرد کی آمدنی کے مطابق لیا جاتا ہے۔ جیسے جیسے آمدنی بڑھتی ہے ٹیکس بھی بڑھتا ہے۔ اسے سپر ٹیکس کہتے ہیں۔۔۔" صوفی آلہ بولیں۔

" صوفی آلہ، اشعر کے ابا کہہ رہے تھے۔ اس دن کو انکم ٹیکس والے کچھ نہیں چھوڑتے سب کچھ

"کیا، بہت تگڑے ہیں؟"

"اور نہیں تو کیا آپ کی طرح پھسپھس ہیں۔"

"کچھ زیادہ تو تگڑے بھی نہیں۔ دبلے سے ہیں۔" بیلو نے چڑ کر کہا۔

"دبلے سے کیا ہوتا ہے۔ طاقت تو ہے، جناب! "گگو خود دبلے ہیں۔ مگر سب کو بھون بھون کر مزا لیتے ہیں۔ ان کی حرکتیں قطعی دبلی پتلی نہیں ہوتیں۔

"مگر یہ تو صفا زیادتی ہے۔" تھوڑی دیر سوچ کر بیلو نے فیصلہ کیا۔

"اور کیا، زیادتی تو ہے ہی۔" گگو ہمیشہ ٹینو اور بیلو کی ہر بات پر فیصلہ کرتے ہیں جیسے وہ تو پہلے ہی یہ بتا چکے تھے۔

"بیچارے اشعر کے کتے کا گھر بھی بک جائے گا۔" ٹینو غمگین ہو گئے۔ اور نہیں تو کیا بس کتے جا گھر بچ جائے گا! کہ لو بھئی اس میں اپنے کتے صاحب کو رکھو۔ "گگو نے حسب عادت چڑایا۔

"ہم اسے اپنے گھر میں رکھ لیں گے۔"

"جی ہاں، بہت رکھا اپنے گھر میں، خالہ اماں گولی مار دیں گی۔" ٹینو نے ڈرایا۔

حالانکہ بیچاری خالہ اماں کے پاس سردتے سے زیادہ خطرناک ہتھیار ہی نہ تھا۔ "یاد ہے ان کی بھینس نے ذرا اشعر کے ابا کے پھول چر لیے تھے تو اسے کانجی ہاؤس بھجوا دیا تھا۔ جب سے خالہ اماں ادھار کھائے بیٹھی ہیں۔ ان کا بس چلے تو انھیں مرغا بنا کر موٹی قصائین کو پیٹھ پر چڑھا دیں۔"

بیلو نے دل ہی دل میں اس حسین نظارے کا نقشہ کھینچ کر لطف اٹھایا۔

خالہ اماں سے سب ڈرتے تھے۔ خصوصاً دسیم بھائی کی تو وہ آتے جاتے ٹانگ کھینچتی تھیں۔ دسیم بھائی آتے جاتے بھی بہت تھے۔ ایک پل ان کی ٹانگوں کو قرار نہ تھا۔ گھڑی باہر تو گھڑی اندر، لمبے لمبے ڈگ بھرتے شڑاپ شڑاپ پاجامہ پھٹکارتے دن میں سینکڑوں چکر لگا ڈالتے تھے۔

"مگر یار یہ کمی آپا پر ٹیکس کیوں نہیں لگتا۔ کتنی عیدی اینٹھتی ہیں جب دیکھو قمیضیں بن رہی ہیں۔"

"خدا قسم ان کی قمیضوں پر ٹیکس لگ جائے تو مزا آ جائے۔"

"اور زبیدہ آپا کی چپلوں پر بھی ٹیکس لگے۔ پلنگ کے نیچے قطار لگی ہے۔ لال، پیلی، اودی، ہری، نیلی، چاکلیٹی۔"

"ایں ہیں، جناب چاکلیٹ کی کہاں ہے چپل؟" ٹینو نے سوچا چلو ایک بات تو گگو کی جہالت پکڑی

گھورنے لگے۔

"کیا کھار ہے، ہو منن بھیا۔" بیلو نے تیس میل فی گھنٹے کی رفتار کے حساب سے سفر کرتے دیکھ کر پوچھا۔ منن بھیا نے ذرا کے ذرا رفتار کم کی، ایک موڑ لیا، گیئر بدلا ایکسیلیٹر چھوڑ دیا اور چال دو گنی کر دی۔

"چمڑا!" منن بھیا نے کاغذ میں لپٹا ہوا چمڑے کا بھورا بھورا چمکدار ٹکڑا نکالا۔ "کھاؤ گے؟"

"آخ تھو۔ ہم تو نہیں کھاتے۔" ٹینو بگڑے۔

"مت کھاؤ۔" یہ کہہ کر منن بھیا نے کھٹ سے چمڑے کا ٹکڑا منہ میں ڈال کر چکی چلا دی۔" تینوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ آج ہر انسان حد کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"کھا کے تو دیکھو گدھے۔" منن بھیا نے تینوں کو ایک ایک ٹکڑا دیا۔ ارے واہ! تینوں بھونچکے رہ گئے۔

"اور دو منن بھیا۔" ٹینو کھٹے میٹھے چمڑے کا چٹخارا لے کر گھگیائے۔

"ختم ہو گیا بھئی۔" منن بھیا نے پتلون کی جیبیں لوٹ دیں۔

"کاں سے آیا تھا۔"

"ہمارے جوتے میں سے نکلا تھا اور کاں سے آتا۔"

"سچ؟"

"اور نہیں تو کیا جھوٹ۔"

"کیا سب جوتوں کا چمڑا میٹھا ہوتا ہے۔" بیلو نے اپنی نئی چپل کو دیکھ کر چٹخارا لیا۔

"نہیں بس کسی کسی میں ہوتا ہے۔ اصل میں دودھ دینے والی بکری کا چمڑا بہت میٹھا ہوتا ہے۔"

"اس سے بھی زیادہ؟"

"اور کیا، یہ تو بھیڑ کا چمڑا ہے اس لیے تھوڑا کھٹا ہے۔ بکری کا بہت عمدہ ہوتا ہے۔" منن بھیا بڑی سنجیدگی سے بولے۔

"مگر پتہ کیسے چلے کہ کون سا چمڑا میٹھا ہے؟"

"جوتے سونگھو صاف پتہ چل جائے گا۔" چنانچہ تینوں مختلف قسم کے جوتے چپلیں اور سینڈلیں نہایت تیزی سے سونگھنے لگے۔

سارے گھر کے نئے پرانے جوتے سونگھ ڈالے۔ مگر کسی میں سے بھی منن بھیا کے جوتے کے

"کیوں بھئی موقع ملا؟" منن بھیا پانی پینے کے بہانے سے تینوں کے پاس سے گزرے۔

"وہ اتارتی تو ہیں نہیں گرگابی۔" تینوں روہانسے ہو گئے۔

"اچھا ہم ایک ترکیب کرتے ہیں تم ہوشیار رہنا۔"

منن بھیا سے اسی دن کمی آپا کی ان بن ہو گئی تھی۔ کمی آپا نے منن بھیا کی سب سے لاڈلی قمیص کی جیب پھاڑ ڈالی غصے میں آ کر منن بھیا نے ان کی چوٹی میں سے لمبی سی لٹ کاٹ ڈالی۔ بس غضب ہی تو ہو گیا۔ کمی آپا بالوں کی کٹی ہوئی لٹ کو پیارے بچے کی لاش کی طرح گود میں رکھے گھنٹوں بھوں بھوں روتی رہیں بس دونوں کی بول چال بند۔

"بھئی کوئی کیرم کھیلتا ہے؟" انھوں نے جیسے دیوار کو دعوت دی۔ کمی آپا نے نہایت بے رخی سے سوں سے ناک بجائی اور کٹی ہوئی لٹ ٹٹولنے لگی۔

صوفی آلہ اور زبیدہ آپا تو آ گئیں۔ اب ایک کھلاڑی کی کسر تھی۔ بڑی مشکل سے انھوں نے کمی آپا کو پھسلایا۔

"بھئی کمی تو ہمارے ساتھ ہو جاؤ۔ منن پاجی کی طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔"

کمی آپا نے گرگابی اتاری۔ تینوں چٹوروں کے دل کی کلیاں کھل گئیں۔ مگر کچھ سوچ کر انھوں نے واپس پہن لی۔ بیچاروں کے منہ اتر گئے۔

"کس قدر کی بدذات ہیں کمی آپا!"

مگر تھوڑی دیر بعد ان کی دعاؤں میں اثر ہونے لگا۔ کمی آپا یوں آڑی بیٹھی تھیں تو ٹھیک سے نہیں کھیل پا رہی تھیں۔ صوفی آلہ ہارنے جو لگیں تو چڑ گئیں۔

"اُہہ کمی یہ کیا بکری کی طرح بیٹھی ہو۔ سیدھی طرح بیٹھ کر کھیلو نہیں تو غارت ہو جاؤ۔"

کمی آپا نے اپنی عزیز از جان گرگابی اتاری اور پالتی مار کر بیٹھ گئیں۔ منن بھیا نے آنکھ ماری۔ لال لال رسیلی گرگابی دیکھ کر تینوں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ ٹہلتے ٹہلتے تینوں شکاری پہنچے۔ پہلے ہی حملے میں غواپ سے گرگابی ٹینو صاحب کے نیکر میں۔

نیبو کے جھاڑ کی آڑ میں تینوں نے لرزتے لرزتے ہاتھوں سے بلیڈ سے جوتی کا چمڑا کاٹا۔ پہلے ہی ٹکڑے پر چھین جھپٹ شروع ہو گئی اور فساد ہوتے ہوتے بچا۔ خیر تینوں نے ایک ایک ٹکڑا منہ میں ڈال کر دانت مارے۔ لاحول ولا قوۃ! مارے بدبو کے دماغ سڑ گیا۔

مگر اس سے قبل کہ وہ چمڑا تھوک پاتے کمی آپا نے بھوکی بلی کی طرح ان پر حملہ کر دیا۔ اپنی دلاری گرگابی کی پوسٹ مارٹم کی ہوئی لاش دیکھ کر وہ سیڑھیوں پر پچھاڑ کھا گئیں۔ دھپ جو لگا تو ٹینو

چمڑا نکال کر تینوں کو بانٹا۔ ڈرتے ڈرتے تینوں نے چکھا۔

"ارے کلو بوا یہ چمڑا کہاں ملتا ہے؟"

"ارے میں صدقے جاؤں میاں یہ چمڑا تھوڑی ہے۔ یہ تو آم کا پاپڑ ہے۔"

"آم کا پاپڑ!"

"ہاں میاں آم کا رس نکال کر تھالوں میں سکھالیویں۔"

تینوں نے خونی نظروں سے منن بھیا کی طرف دیکھا جو نہایت معصوم صورت بنائے آم کا پاپڑ چوش کر چٹخارے بھر رہے تھے۔

"حد ہو گئی یار۔" ککو نے کہا۔

"یعنی قطعی حد ہو گئی!" بیلو نے ان کی تائید کی۔

"اللہ کرے منن بھیا کی شادی شمیم سے کر دیں اماں وہ اور بھی موٹی ہو جائے۔ ان کا مار مار کر بھرکس نکال دے۔" ٹیٹو نے کوسا اور تینوں کے منہ میں آم کا پاپڑ چمڑے سے زیادہ بدمزہ ہو گیا۔

ٹیٹو کی جان کو ایک غم کھائے جاتا تھا۔ نہ جانے اللہ میاں نے کیا سوچ کر ان کی ناک چو کھونٹی تعمیر فرما دی۔ ویسے وہ کافی حسین ہیں۔ مگر ناک نے ان کی لٹیا ڈبو دی ورنہ وہ ان کا پیغام شہزادی این یعنی ملکۂ انگلستان کی بیٹی سے روانہ کروا دیتے۔

کاش کوئی پری وری مل جاتی اور اپنی جادو کی چھڑی لا کر ان کی چپٹیل ناک سے چھوا دیتی، اور زن سے ان کی ناک پتلی اور ستواں بن جاتی۔ سنڈریلا کی خاطر پری نے کدو کی فٹن بنا دی تھی۔ اور چوہوں کو گھوڑوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ کیا کوئی کمبخت پری ان کی ناک کو جو کدو سے قطعی ذیل ڈول میں کم تھی۔ جادو کے زور سے کھڑا نہیں کر سکتی تھی۔ یہ پریاں وریاں نہ جانے آج کل کہاں اونگھ کر بیٹھ رہی ہیں۔ ان کی ناک نہ جانے کیوں روٹھ کر یوں منہ پھلائے ان کے چہرے پر پھسل پڑی ہے۔ بس چلتا تو کمبخت کو چابک مار مار کر کھڑا کر دیتے۔

ایک دن وہ اداس بیٹھے اپنی ناک ٹٹول رہے تھے۔ پروین نے انہیں "چپٹیل" کہہ دیا تھا۔ چونکہ انھوں نے اس کی گڑیا کو چٹیا سے لٹکا کر اسے چکر دیئے تھے۔

"کیا بات ہے ٹیٹو یار۔ ناک کیوں ٹٹول رہے ہو۔ کیا بیلو نے گھونسا مار دیا؟"

"ارے واہ بڑے آئے بیلو صاحب مارنے والے" ٹیٹو بگڑے۔

کی سونڈ بن گئی اور ایک شیر اس میں جھول رہا ہے۔ رات کو کراہ کراہ کر کئی بار جاگے پھر دل پر پتھر رکھ کر سو گئے۔ پھر خواب میں دیکھا ناک اتنی بڑھی اتنی بڑھی کہ نیم کے لبنے کے برابر ہو گئی۔ اس پر بندر اتر رہے ہیں چڑھ رہے ہیں۔ مینائوں نے گھونسلے بنا لیے ہیں۔ ایک ہدہد اپنی نکیلی چونچ سے سوراخ پہ سوراخ کیے جا رہا ہے۔ بہتیرا شش شش کر رہے ہیں۔ پنجے گاڑے بیٹھا ہے۔ ناک ہے کہ ہوا کے جھونکوں میں ایسی جھوم رہی ہے۔ کہ معلوم ہوتا ہے ایک جھکڑ اور آیا تو چرچرا کر ٹوٹ پڑے گی۔ ناک اتنی لمبی ہو چکی تھی کہ اس کی پھننگی تک ان کہ شش شش نہ پہنچ سکی۔

جونہی اماں فجر کی نماز کو اٹھیں تو صبح کی دھندلی روشنی میں ٹیٹو کی ناک پر ایک بڑا سا مکوڑا بیٹھا دکھائی دیا۔ پنکھے کی ڈنڈے جو انہوں نے تاک کہ مکوڑے کی ٹانگوں پر ماری تو ٹیٹو بلبلا کر چنگھاڑے۔ اب جو انھوں نے دیکھا تو مکوڑا نہیں چٹخنی تھی۔ بوکھلا کر چلائیں۔

"اے بی اختر ذرا دیکھنا .... ٹیٹو کو کیا ہو گیا ہے۔"

چاروں طرف جگار ہو گئی سب ٹیٹو کے گرد جمع ہو گئے ...۔ اب ناک پر جہاں پر کلپ لگا تھا وہاں دوران خون بند ہو کر گہرا سا گڈھا پڑ گیا تھا۔ جتنی ناک باہر رہ گئی تھی وہ آلو بخارے کی طرح ہو کر سوج گئی تھی۔ بڑی مشکل سے کلپ نکالا گیا۔ ٹھنڈے گرم پانی سے ٹکور دی گئی تب کہیں جا کے ناک کا دوران خون ٹھیک ہوا، ذرا سوجن اتری۔ تیل کی مالش کی گئی۔

وہ دن اور آج کا دن ٹیٹو میاں نے ملکہ الزبتھ کی دامادی کی ساری امیدیں بالائے طاق رکھ دیں۔ اگر وہ منّن بھیا کی بتائی ہوئی حسن بڑھانے کی ترکیب پر کچھ گھنٹے اور عمل کر لیتے تو آج قطعی ناک سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

بیلو کو ہمیشہ گپیں مارنے کا شوق ہے۔ ایسی اینٹھی ٹھوکتا ہے کہ بس کیا بتائیے۔ بیٹھے مزے سے کیرم کھیل رہے ہیں یا زنازن ترپ چال ہو رہی ہے۔ یا کوئی نہایت دلچسپ کہانی پڑھ رہے ہیں۔ عین اسی وقت جب کہ ہیرو اژدھے کے چنگل میں پھنسا زور مار رہا ہے۔ بیلو صاحب آن دھمکے۔

"چلو .... اماں بلاتی ہیں۔" اب نہ جائیں تو کیا عجب جو بلا ہی رہی ہوں۔ امائیں عموماً ایسے ان گڑھ موقعوں پر ضرور بلانے کی عادی ہوتی ہیں۔ خیر اماں کے پاس گئے۔

"اماں آپ نے ہمیں بلایا تھا۔"

"اے دور ہو کلموہو، میں کاہے کو بلاتی۔ کون تمہاری صورت کو ترس رہی ہوں کہ چڑھے چلے

"نہیں ابا......جلتی ہے۔" بیلو نے بگڑ کر کہا۔ لال نہیں سفید آگ جلتی ہے اور برف کے ریڈیو میں سے اولوں کے گیت نکلتے ہیں۔" بیلو کی آنکھیں چمکیں۔

ابا نے اخبار رکھ دیا۔ غور سے پہلے عینک کے نیچے سے پھر اوپر سے جھانک کر بیلو کو گھورا۔

"تم نہایت بے وقوف ہو۔ نرے چغد......" ابا نے ڈانٹ ڈانٹ کر ثابت کر دیا کہ بیلو گپ ٹھوک رہا ہے۔ وہاں برف کے بنے ہوئے جانور نہیں ہوتے۔

"مگر ابا کتاب میں لکھا ہے برف کے کتے!"

"یعنی وہ کتے جو برف پر گاڑیاں گھسیٹتے ہیں۔"

اور جناب بالکل آئس کریم کے بیل نہیں ہوتے۔" ٹینو بولے۔

"ہوتے ہیں۔" بیلو ڈٹ گئے۔ ابا قطعی بور ہیں۔ لے کے بیلو کی پوری برف کی دنیا پگھلا دی۔

بیلو کا بہت مذاق اڑا اور ایک دم سے ان کی گپ بازی کی دھوم مچ گئی۔ اور جب گھر کے بزرگوں کے دل میں ایک بات بیٹھ جائے تو وہ سچی بات مان ہی لی جاتی ہے۔ اب تو یہ حال ہو گیا کہ بیلو اگر کہتے۔

"ہماں ہمیں بھوک لگی ہے۔" تو کوئی نہ یقین کرتا۔

"چل جھوٹے بدہضمی کرے گا۔" سہ پہر کو منوں ستو بھکسے تھے۔" حالانکہ غریب بیلو سہ پہر کو نیم کے نیچے بیٹھا چچے سے چیونٹے حلال کر رہا تھا۔ ستو کب گھلے کب پی لیے گئے اسے خبر بھی نہ ہوئی۔ جب چیونٹے انتقاماً اس کی نیکر میں گھس گئے اور اسے بھنبوڑ کر رکھ دیا تو بیچارا کالاماں سے کولھوں پر چونا لگواتے لگواتے سو گیا تھا۔ ککو کو اگر یاد بھی ہوتی تو بیلو کی موافقت کی بات صاف پی جاتے۔

غرض بیلو کی دروغ گوئی کی دھاک ایسی بیٹھی کہ ان کے سارے کارناموں پر پانی پھر گیا۔ ایک دن جب بیلو اپنے کمرے میں سونے کے لیے گئے تو وہاں سے سرپٹ رپٹے ہوئے آئے اور دادی جان کی گود میں چڑھ گئے۔

"اے بیلو سوتے کیوں نہیں۔ جاؤ اپنے کمرے میں۔" دادی اماں بولیں۔

"نہیں..."

"کیوں؟

"شیر!"

"شیر؟...اے کیسا شیر؟"

"کیا کوئی چوری ووری ہو گئی ------ خیریت تو ہے۔" ابا نے پوچھا۔

"نہیں صاحب چوریاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ ویسے سب خیریت ہے۔ یہ سرکس کے منیجر صاحب ہیں۔" انھوں نے گپھے دار موچھوں کی طرف اشارہ کیا۔

"آداب عرض۔ آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔" ابا جھوٹ بولے۔

"صاحب ---- وہ بات یہ ہے کہ سرکس کا ایک نہایت ہی بدمعاش شیر چھوٹ گیا ہے ------"

"شیر؟ ---- شیر ----- یعنی کہ شیر" ---- ابا ہکلائے۔

"جی ہاں قطعی شیر ----- نہایت خونخوار اور پاجی ہے۔ کل ٹرینر کو بھنبوڑ ڈالا ہوتا۔ بال بال بچے۔ ابھی آپ کے پڑوس سے رئیس صاحب نے فون کیا کہ ایک عدد شیر آپ کے باغ میں گھومتا دیکھا گیا ہے۔

"بباباغ ---- شیر ----- بیلو۔" ابا مونڈھے پر ڈھلک گئے۔

"بیلو سچ ہی کہہ رہا تھا۔" انھوں نے سہم کر بیلو کے کمرے کی طرف دیکھا جس کا ایک دروازہ باغ کی طرف کھلتا تھا۔

"ہائے ------ لوگو میرا بیلو ----" اماں جو کمرے سے سب کچھ سن رہی تھیں پچھاڑ کھا کر ڈنلپ کے نئے گدے پر گریں۔ پھر اٹھ کر وہ دوڑیں بیلو کے کمرے کی طرف اگر ابا نے کولیا بھر کر انھیں پکڑ نہ لیا ہوتا تو وہ سیدھی شیر کے جبڑوں میں گھس جاتیں۔

"ہائے میرا بچہ ------ ارے مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا تم لوگوں پر بھاری ہے بچہ ------ ارے اس کی جان لے کر ہی چین آیا۔" حسب دستور دادی اماں نے گھبرائے ہوئے اماں اور ابا کی نگ لی۔ "اب تو کلیجے میں ٹھنڈک پڑی۔"

ہائے میرا ننھا منا سا بیلو۔ شیر نے چبا ڈالا اور اس نے منہ سے ڈر کے مارے آواز بھی تو نہیں نکالی۔" کا اماں چپکی ہبکی رونے لگیں اور ککو ٹینو بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ "ہائے پیارے بیلو تم سے یہ امید نہ تھی کہ شیر کا ناشتہ بن جاؤ گے اور ہمیں یوں اکیلا چھوڑ جاؤ گے۔"

"ہائے اللہ کیا کڑ کڑ چبایا ہو گا بیچارے کو۔ اب تک تو ہضم ہو کر آنتوں میں پہنچ چکا ہو گا۔" منن بھائی نے آہ بھری۔

ابا کا برا حال تھا۔ وہ تو خالی ہاتھ ہی گھس کر شیر سے گتھ جانا چاہتے تھے۔ ان کا بس نہ تھا کہ اس کے حلق میں ہاتھ ڈال کر اپنے لاڈلے بیلو کو نکال لائیں۔ لوگوں نے بڑی مشکل سے انھیں دلاسا دیا۔

دیں کہ ان کی مٹھی میں مگر مچھ ہے تو بھی ان کو جھٹلانے کی ہمت نہ پڑے گی۔ کیا عجب جو وہ مٹھی کھول کر مگر مچھ دکھا دیں تو کوئی ان کیا بگاڑے گا۔

" بھئی ان ماسٹروں کے خوب ٹھاٹ ہیں۔ مزے سے سائیکلوں پر دندناتے پھر رہے ہیں۔ جسے جب جی چاہا ٹھوک دیا۔ مرغا بنا کر کرسی رکھ دی۔ اور غصہ آیا تو کونے میں منہ دے کر چھٹی کے گھنٹے میں کھڑا کر دیا۔ کوئی جملہ پانچ سو دفعہ لکھنے کو دے دیا۔ نظمیں رٹوالیں۔

ککو نے ٹھنڈی سانس بھری۔ آج ان پر کلاس میں بری بیتی تھی۔ ان پر روز ہی بری بیتتی تھی۔ ککو اپنی کلاس کے دادا تھے۔ ہر شرارت ان کے زیر سایہ پروان چڑھتی تھی۔ ناطقہ بند تھا استادوں کا۔

" نہ ہوم ورک کرنا۔ " ٹینو نے رداد ھرا۔

" نہ جیومیٹری رٹنا۔ " ککو کو جومیٹری نے بڑا ستار کھا تھا۔ دو متوازی خطوں کے بیچ میں بننے والے زاویے برابر ہوتے ہیں۔ ہوتے ہیں تو ہونے دو ہم کیا کریں۔ " ٹینو نے سوچا۔

" یہ ہسٹری بھی کچھ کم بدذات نہیں۔ محمود غزنوی نے سترہ حملے کیے۔ ارے بھئی کیے تو ہم نے اسے تھوڑی بھڑکایا تھا۔ " بیلو نے جرح کی۔

" یار یہ جغرافیہ بھی فضول ہے۔ گیہوں کہاں پیدا ہوتا ہے۔ چاول کہاں اگتا ہے۔ دریا کہاں بہتا ہے۔ پہاڑ کتنا اونچا ہے۔ سمندر کتنا گہرا ہے۔ ہنہ یہ بھی کوئی تک ہے۔ چاول دال سے باورچی کو دلچسپی ہوگی۔ سمندر کی گہرائی کی فکر کریں وہیل مچھلیاں ہمیں کوئی سمندر ناپنے ہیں "

تینوں ہوم ورک کر کے بستروں پر لیٹ گئے اور اس دن کے خواب دیکھنے لگے جب بجائے پڑھنے کے وہ استاد بن کر دوسروں کو پڑھائیں گے۔

" مزہ آجائے گا۔ " ککو نے لڑکوں کو تخیل میں ٹھونکتے ہوئے چٹخارہ لیا۔ مزے سے گپیں ماریں گے۔ سینما دیکھیں گے۔ لائبریری اپنے قبضے میں ہوگی۔ کہانیوں کی کتابیں پڑھیں گے۔ کیا حسین زندگی ہوگی!

آنکھ لگی ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ ٹینو لپکے کیونکہ انھیں ٹکٹ جمع کرنے کا شوق تھا اور ڈاکیے کی آواز وہ خوب پہچانتے تھے۔

" ارے ککو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمھارے نام رجسٹرار صاحب کا خط! " ٹینو نے لفافہ لا کر دیا۔

" کھولو تو یار کس کا خط ہے۔ " بیلو نے شوق سے کہا۔

اسکول کے میدان میں بچے بے تحاشا دوڑ رہے تھے اور غل مچا رہے تھے۔

"اہم! " رعب ڈالنے کے لیے ماسٹر ککو کھنکارے مگر کسی نے نوٹس نہ لیا۔ دو لڑکے ایک دوسرے کو دھکے دیتے آ کے ان کے پیٹ سے لڑ گئے۔

"ھنک! " دم نکل گیا ککو کا۔ جی چاہا فوراً سب کو مرغا بنا دیں۔ خیر جی کلاس میں خبر لی جائے گی سب کی۔

"جیسے ہی کلاس کا دروازہ کھول کر ککو اندر داخل ہوئے سر پر تائیں سے ایک پانی سے لبریز ڈبہ گرا اور ککو سر سے پیر تک شرابور ہو گئے۔

اپنی کلاس میں کئی بار ککو یہی حرکت اپنے استادوں کے ساتھ کر چکے تھے اور خوب قہقہے لگایا کرتے تھے۔ مگر آج جو ڈبہ سر پر گرا تو مارے غصے کے بے قابو ہو گئے۔ کلاس میں قیامت برپا تھی۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ لڑکے کاؤں کاؤں کیے جا رہے تھے۔

" خاموش ہو جاؤ۔ " انھوں نے لڑکوں کو ڈانٹیں بتائیں۔ میز کو دونوں ہاتھوں سے پیٹا۔ مسطرے کھٹ کھٹ کی۔ لڑکے ذرا سا خاموش ہوتے پھر کھی کھی کرنے لگتے۔ باوجود ضبط کے ان کی ہنسی بار بار نکل جاتی تھی۔ " بات کیا ہے؟ " ککو نے سوچا۔ مڑ کر جو دیکھا تو بلیک بورڈ پر ککو صاحب کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ لمبے لمبے گدھے جیسے کان، گول آلو جیسی آنکھوں پر چشمہ، نیچے لکھا تھا۔

" تختی پہ تختی ۔۔۔۔۔ ماسٹر جی کی کمبختی۔ "

مارے غصے کے ککو صاحب لرز اٹھے۔ آنکھوں سے چنگاریاں برسنے لگیں۔

" یہ کس پاجی کی بدمعاشی ہے۔ " ککو گرجے۔ مگر ان کی آواز چیں سے ہو گئی اور لڑکے مارے ہنسی کے لوٹن کبوتر بن گئے۔

ایک لڑکے نے ڈیسک کے نیچے منہ ڈال کر گدھے کی بولی بول دی۔ کلاس میں زوردار قہقہہ پڑا۔ ککو کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لیں۔ یا زمین پر لیٹ کر خوب لوٹیں لگا کر مچلیں۔ گھر میں جب وہ کبھی کوئی بات منوانا چاہتے تھے یا انھیں کوئی چھیڑ دیتا تھا تو فوراً مچل جایا کرتے تھے۔

" خاموش خاموش ۔۔۔۔۔ پاجیو نا معقولو ۔۔۔۔۔ گدھو ۔۔۔۔ " ککو کا چلاتے چلاتے گلا بیٹھ گیا مگر لڑکے ہنستے رہے، قہقہے لگاتے رہے، سیٹیاں بجاتے رہے کوئی بلی کی بولی بول رہا تھا۔ کوئی کتے کی طرح بھو نکتا۔ کوئی ڈھینچوں ڈھینچوں کر رہا تھا تو کوئی بھینس کی طرح ارا رہا تھا۔ ایک لڑکا الو کی نقل کر رہا تھا دوسرا مرغے کی طرح اذان دے رہا تھا۔ مارے غل کے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا چاروں طرف سے بھوت پریت نکل کر ڈرا رہے ہیں۔ کلاس نہیں چڑیا خانہ ہے۔ بھانت بھانت کا

سوال حل کرنے کے بعد چاروں طرف سے لڑکے کاپیاں لے کر پل پڑے ایسے کہ سانس لینا مشکل ہو گیا۔ لڑکوں کو تو صرف ایک ایک سوال کرنا پڑا ککو صاحب کو پینتیس لڑکوں کی پینتیس کاپیوں میں پینتیس دفعہ ایک ہی سوال کرنا پڑا۔ کیونکہ چند ہی لڑکوں نے ٹھیک سوال کیا تھا۔ اف پینتیس لڑکے اور ایک بیچارہ ماسٹر! کچومر نکل گیا۔

شکر ہے کہ اتنے میں گھنٹا بج گیا اور باقی کاپیاں ککو نے اٹھا کر بیگ میں ڈالیں کہ گھر سے صحیح کر کے لائیں گے۔ خیال تھا آج ماسٹر بننے کی خوشی میں سینما جائیں گے مگر سب سینما دینما دھرا رہ گیا۔ اتنا کام کرنا ہو گا وہ کون کرے گا۔

دوسرے درجے میں گئے، تو وہاں بھی خاصی گت بنی۔ بڑی مشکل سے پندرہ منٹ برباد کرنے کے بعد لڑکے خاموش ہوئے۔ جغرافیہ پڑھانے لگے۔ پڑھا ہوا سبق تھا بھول بھال چکے تھے۔ چپکے چپکے کتاب میں سے دیکھ دیکھ کر پڑھانے لگے لڑکے بھی چالاک تھے کتاب میں سے دیکھ دیکھ کر جواب دینے لگے۔

"اے لڑکو کتاب میں سے دیکھ کر جواب مت دو۔" ککو نے ڈانٹا۔

"ماسٹر صاحب آپ بھی تو کتاب میں سے دیکھ دیکھ کر پڑھا رہے ہیں۔"

لڑکوں نے جواب دیا اور ککو سٹپٹا گئے۔ اور بڑی مصیبت اب گھر سے جغرافیہ بھی پڑھ کر آنا پڑے گا۔

اس گھنٹے کے بعد چھٹی تھی۔ ککو جو کلاس سے اٹھ کر جانے لگے۔ تو کلاس کے لڑکوں نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ گھبرائے ہوئے غرور سے گردن اکڑائے باہر نکل آئے۔ اب یہ جدھر جاتے ہیں لوگ ہنس ہنس کر بے حال ہوئے جاتے ہیں۔ لڑکوں کو تو ڈانٹ دیا مگر جب استاد بھی انھیں دیکھ کر قہقہے لگانے لگے تو ککو کا خون کھول گیا۔ اور تو اور ہیڈ ماسٹر صاحب بھی گزرے تو وہ بھی مسکرانے لگے۔ ککو چکرائے۔ "یا خدا یہ کیا مصیبت ہے۔" گھبرا کر کان ٹٹولے کہ کہیں اور لمبے تو نہیں ہو گئے کیا ہو گیا کہ ہر ایک ہنسے جا رہا ہے۔

اتنے میں، بیلو اور ٹیٹو بھی آن پہنچے! انھوں نے بھی بے اختیار قہقہے لگانے شروع کر دیے۔

"فوراً مرغا بن جاؤ نالائقو۔"

"ارے واہ بے کار میں مرغا بن جائیں۔ ککو صاحب اینٹھ رہے ہیں۔" ٹیٹو منمنائے۔

"تو کیوں ہنس رہے ہو؟" ککو غرائے۔

"اپنا کوٹ اتار دو۔" بیلو نے رائے دی۔

"واہ جناب کیوں اتاریں۔" ککو اکڑے

غرض ادھر ادھر، بہت دوڑ بھاگ کی، مجرم کا پتہ نہ چلا۔ اب تو ٹکو کا صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ سیدھے ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس شکایت لے کے پہنچے کہ کسی نے ان کی ناک پر گیند مار دی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب ٹکو کی پکوڑا سی لال ناک دیکھ کر مسکرا دیئے۔

"ارے صاحب بچے ہیں جانے دیجئے۔"

"جی ہاں بچے ہیں کہ آسیب۔ صبح سے زندگی دو بھر کر دی ہے اور آپ فرماتے ہیں جانے دیجئے۔ باز آیا میں ایسی نوکری سے۔" ٹکو بگڑے۔

"مگر اب تو کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ اب تو ہم نے آپ کو مستقل استاد بنا دیا ہے۔ ایک سو پچیس روپے ملیں گے۔ سات گھنٹے پڑھانا ہو گا۔"

"سات گھنٹے روزانہ؟ یعنی مہینے میں دو سو دس گھنٹے یعنی فی گھنٹہ آٹھ نو آنے کے حساب سے یعنی کہ نو آنے میں چالیس لڑکوں کو ایک گھنٹہ پڑھانا۔ فی لڑکا ایک پیسے سے بھی کم ------!" ٹکو کو چکر آگیا۔

"اس کے علاوہ ------" ہیڈ ماسٹر بولے۔

"صاحب ابھی اس کے علاوہ بھی ہے۔" ٹکو حیرت سے لرز اٹھے۔

"جی ہاں کھیل اور ڈرل کی نگرانی بھی کرنی ہو گی۔"

"اف میری ناک تو ختم سمجھو----"

"اس کے علاوہ ------" ہیڈ ماسٹر بولے۔

"یعنی ----- یعنی ابھی اور بہت سی علاوہ ہیں؟" ٹکو کی آواز گلے میں گھٹ گئی۔

"اسکول کا سالانہ جلسہ ہونے والا ہے اس کا انتظام آپ کو ہی کرنا ہو گا ------ رجسٹر تو آپ روزانہ بھر ہی لیں گے۔ امتحان آ رہے ہیں۔ پرچے بنا ڈالیے نا۔ کاپیاں دیکھتے دیکھتے کئی دن لگ جائیں گے۔ لائبریری پر بھی ذرا نظر رکھنی ہو گی۔"

"مگر ------ مگر صاحب ------ مجھ سے اتنا کام کیسے ہو گا؟"

"ایک سو پچیس روپے تنخواہ جو ملے گی۔"

"مگر صاحب ایک سو یعنی فی لڑکا فی گھنٹہ ایک پیسے سے بھی کم۔ اماں کہتی ہیں نوکر ہو جاؤ گے تو اپنا خرچ خود اٹھانا پڑے گا۔ مکان کا کرایہ، نوکروں کی تنخواہ، بھنگی، بہشتی دھوبی اور پھر گیہوں، چاول، دال، ترکاری۔ اتنے لڑکوں کو پڑھانا۔ انہیں پڑھانے کے لیے خود پہلے سبق تیار کر کے لانا۔ پھر روزانہ سائیکل میں پنکچر ---- سر پر پانی بھرا ڈبہ، کوٹ پر لکھا ہوا ---- میں گدھا ہوں۔ الجبرا ----

چھلانگیں لگاتے اڑانیں بھرتے وہ انھیں اپنے اسکول لے چلے۔

پیڑوں کی بلند چوٹیوں پر سے ککو نے لرز کر دیکھا نیچے لڑکے پلنگ برابر کتابیں لیے چلا رہے تھے۔ "آؤ آؤ۔۔۔۔۔ ہمیں پڑھاؤ۔"

"نہیں نہیں ہمیں پڑھاؤ۔۔۔۔۔" بندروں نے کہا۔

"ہم تمھیں ایک سو پچیس روپے دیں گے۔" لڑکے چلائے۔ "ہم تمھیں ایک سو پچیس ناریل دیں گے۔" "تم ہمیں پڑھاؤ۔" بندر چیخے۔

"ہمیں مرغا بناؤ۔۔۔۔۔۔" لڑکوں نے کہا۔

"ہمیں بنچ پر کھڑا کر دو۔۔۔۔" لنگوروں نے فرمائش کی۔ اور ککو نے بندروں کی طرف دیکھا ۔۔۔۔ پھر لڑکوں کی طرف دیکھا ان کی سمجھ میں نہ آیا وہ ان میں سے کس کی نوکری لیں ۔۔۔۔

بندر انھیں اور بھی اونچا لے گئے۔ ککو کا سر گھومنے لگا، پیڑ گھومنے لگے، پتے اور ٹہنیاں، زمین اور آسمان سب ایک بڑے سے ہنڈولے کی طرح اوپر نیچے چکر لگانے لگے۔ ساری دنیا گڈمڈ ہو گئی۔ لڑکوں نے نیچے اور بندروں نے اوپر بلانا شروع کیا۔ پھر لڑکوں نے تاک تاک کر روپیوں کی تھیلیاں مارنا شروع کیں۔ بندر کب چوکنے والے تھے۔ انھوں نے ایک سو پچیس ناریل ان کے سر پر مارنے شروع کر دیے۔ نیچے سے روپیوں کی مار اور اوپر سے ناریلوں کی بوچھار۔ ککو بے دم ہو گئے۔ اور پھر جو لنگوروں نے اپنی دموں کو ان کے جسم کے گرد رسیوں کی طرح لپیٹ کر ایک پیڑ سے دوسرے پیڑ پر لمبی سی چھلانگ لگائی تو وہ بیچ ہی میں ٹوٹ گئیں اور ککو کٹی ہوئی پتنگ کی طرح تیرتے پیناتے۔ سائیں سائیں پھنکارتی ہوائیں قلابازیاں کھاتے نیچے گرنے لگے۔ لڑکوں نے جلدی سے ایک کتاب کے چاروں کونے پکڑ کر پھیلا دیے اور ککو دھم سے اس پر آن گرے۔

گرتے ہی ان کی آنکھ کھل گئی۔۔۔۔۔ وہ اپنے پلنگ پر پڑے تھے اور آپا ان کا کندھا ہلا کر کہہ رہی تھیں۔

"کب تک سوئے گا ککو بیٹے۔ اسکول کا وقت ہو رہا ہے۔" اس دن جب ککو اسکول گئے تو چپ چپ تھے۔ نہ انھوں نے لڑکوں کے کہنیاں ماریں، نہ کسی کے اڑنگا لگایا۔ بیلو میٹو نے جب ان سے کہا۔

"آؤ یار آج ماسٹر کی میز میں مرا ہوا چوہا رکھیں۔" تو ککو ایک دم لرز کر زرد ہو گئے۔ انھوں نے بڑی سختی سے مخالفت کی۔

"اسکول میں پڑھنے آتے ہو یا اپنا اور ماسٹروں کا وقت ضائع کرنے آتے ہو۔"

کیونکہ انکم ٹیکس کا پیچیدہ مسئلہ بغیر چاکلیٹوں کے کس طرح سمجھا جا سکتا ہے۔

"لاکھوں برس ہوئے جب دنیا جوان تھی۔ ــــــ" انھوں نے کہنا شروع کیا۔ "بلکہ یہ کہنا چاہیے جب دنیا بچہ تھی۔"

"کیا بہت چھوٹی تھی؟" ٹینو بولے۔

"نہیں ــــــ جسامت میں تو چھوٹی نہیں تھی۔ انسان موٹروں، ریلوں اور ہوائی جہازوں کی دنیا سے دور انسان، جنگلوں میں جانوروں کی طرح رہتا تھا۔"

"صوفی آلہ کیا یہ سچ ہے کہ انسان پہلے بندر تھا؟" بیلو ٹپکے بیچ میں۔

"اور کیا۔ ٹینو کی ناک سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ اب بھی بہت سے انسان اپنے آباؤ اجداد سے ملتے جلتے ہیں۔"

"آں ہاں ــــــ اور گکو صاحب کے کان بھی تو بندر جیسے ہیں۔" ٹینو بگڑے۔

"ہاں اور حرکتوں میں تم تینوں بندروں کے بھی کان کاٹتے ہو۔" تینوں کی چاکلیٹ دیتے ہوئے بولیں۔ "مگر آہستہ آہستہ صدیاں گزرتی گئیں۔ انسان مہذب ہوتا گیا۔ ترقی کرتا گیا۔ پہلے شکار کر کے لاتا تھا۔ سب کھا کر ختم کر دیتا تھا۔ یا پھینک دیتا تھا۔ دوسرے وقت بھوک لگتی تھی تو دوسرا شکار کر لیتا تھا۔ پھر اسے سمجھ آئی۔ اس نے زندہ جانور پکڑ کر انھیں پالنا شروع کیا۔ تاکہ بھوک لگے تو بجائے پھر شکار کی تکلیفیں اٹھانے کے پالا ہوا جانور مار کر کھالے۔ ظاہر ہے ایک جانور مار کر اوروں کو بھی بانٹا کہ بھئی آج ہمارا جانور کل تم اپنا مارنا تو ہمیں دے دینا۔ یوں جانوروں کا گوشت برباد ہونے سے بچ رہا ــــ انسانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ گلے بن گئے۔ پھر زمانے نے اور ترقی کی۔ انسان اناج کھاتا تھا۔ جیسے کتے بلیاں بھی گوشت کے ساتھ تھوڑی سبزی پیٹ صاف کرنے کو کھاتے ہیں۔ اناج کی تلاش میں اسے جنگلوں میں جانا پڑتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنے رہنے کے لیے جو گھر بنائے تھے ان کے آس پاس ہی اناج بونے لگا۔ جنھیں ہم کھیت کہتے ہیں۔"

"بڑا چالاک تھا بھئی۔" گکو حیرت سے بولے۔

"ہاں ــــ پھر صدیاں گزریں، انسان ترقی کرتا گیا۔ آرام کے لیے سڑکیں، تالاب، کنوئیں اور نہریں بنانے لگے۔ پہلے تو یہ ہوتا کہ جو پہلے آکر تالاب پر قبضہ کر کے بیٹھ جاتا، وہ دوسروں کو پاس بھی نہیں پھٹکنے دیتا تھا۔ مگر پھر لوگوں نے مل کر ساجھے میں آرام کی چیزیں بنانی شروع کیں۔ لوگ ان آرام کی چیزوں کے آس پاس ہی آکر رہنے بسنے لگے۔ ظاہر ہے ان چیزوں کو بنانے میں انھیں بھی محنت دینا پڑی تھی۔"

" چہ چہ ۔۔۔۔۔ یہ تو برا ہوا ۔۔۔۔۔ ایک بم میں کتنی لاکھ پھلجڑیاں بن سکتی ہیں۔ کیوں صوفی آلہ۔ "

" ہاں بھئی ۔۔۔۔ مگر انسان دشمن بم ہی بناتے ہیں۔ "

" تو پھر انکم ٹیکس۔ "

" اب بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ جوں جوں دنیا ترقی کرتی گئی لوگ زیادہ سے زیادہ ساجھے داری کرتے گئے۔ ساجھے سے ہی بڑی بڑی سڑکیں، نہریں، اسکول اور لائبریریاں بننے لگیں۔ "

" اور سینما ہال۔ "

" ہاں سینما ہال ۔۔۔۔۔۔ اور چوں کہ چور اچکے کاہل بھی ہوتے تھے۔ ان سے اپنی دولت کو بچانے کے لیے چوکیدار اور پہرے دار بھی ساجھے کے رکھنے پڑے۔ پھر آئے دن جو جھگڑے ٹنٹے ہوتے تھے ان کا فیصلہ کرنے کے لیے جج مقرر ہوئے۔ کورٹ کچہریاں بنیں۔ "

" سب ساجھے سے؟ "

" اور کیا؟ ہر آدمی اپنا اپنا الگ کورٹ بناتا، سڑک بناتا ۔۔۔۔۔ کارخانے بناتا۔ ان کی حفاظت بھی خود ہی کرتا ۔۔۔۔ اپنے بچوں کے لیے اسکول بناتا ۔۔۔ اپنی اکیلے کی الگ ریل کی پٹریاں بچھاتا تو کتنی گوبڑ ہوتی ۔۔۔ " بیلو بولے۔ ٹیٹو چڑھ گئے۔

" ہم تو اپنی الگ ریل گاڑی خریدیں گے۔ " وہ بولے۔

" اجی ہاں ۔۔۔۔ مر جاؤ گے پوری ریل خریدو گے تو ۔۔۔ اور پھر سارے ملک میں اپنی پٹریاں بچھانا ۔۔۔۔ ہم جناب کو اپنی پٹریوں پر نہیں چلانے دیں گے۔ " ککو نے دھمکی دی۔

" اور اپنے لیے سارے ملک میں سڑک بھی الگ بنانا ۔۔۔ ہماری سڑک پر چلے تو ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ "

" اہہ بھئی تم تو لڑنے لگتے ہو۔ ٹھیک تو ہے ٹیٹو ۔۔۔۔ تم کاہے کو سارے ملک میں سڑکیں بناتے پھرو ۔۔۔۔ چندہ دے دو۔ جیسے سب دیتے ہیں۔ ساجھے میں سب چیزیں بن جائیں گی۔ "

" اچھا بھئی ہم دے دیں گے چندہ ۔۔۔۔۔ بس؟ "

" بس اس چندے ہی کو انکم ٹیکس کہتے ہیں۔ یہ چندہ جمع کر کے اس سے اسکول بنائے جاتے ہیں لائبریریاں بنتی ہیں۔ "

" واہ سوفی آلہ تو ہم پھر فیس کیوں دیں۔ اسکول ہمارے چندے سے بنے ہیں تو وہ ہمارے ہیں ۔۔۔ پھر ۔۔۔۔ "

"یہ جو پکنک کا چندہ لیا جاتا ہے یہ بھی انکم ٹیکس ہوا۔"
"ہاں بھئی۔ مگر انکم ٹیکس سب سے برابر کا نہیں لیا جاتا۔"
"کیوں صوفی آلہ یہ تو سخت بے ایمانی ہے۔"
"جو زیادہ امیر ہیں ان سے زیادہ لیا جاتا ہے۔ جو بالکل غریب ہیں ان سے کچھ بھی نہیں لیا جاتا۔ جو درمیانہ درجے کے ہیں ان سے تھوڑا سا لے لیا جاتا ہے۔"
"مگر یہ تو سراسر زیادتی ہے۔ کیا غریب آدمی سڑک پر نہیں چلتے۔ کیا فوج ان کی حفاظت نہیں کرتی۔ کچہریاں ان کے فیصلے نہیں کرتیں۔ ان کے بچے بھی تو اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ قطعی بے ایمانی۔"
"مگر جناب امیروں کو زیادہ حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے پولیس ان کا زیادہ کام کرتی ہے۔ غریب تو پیدل چلتے ہیں۔ سڑک تھوڑی سی گھستی ہے۔ ان کی موٹریں دوڑتی ہیں۔ زیادہ سڑکیں گھستی ہیں۔" بیلو نے تشریح کی۔
"موٹے بھی یہ زیادہ ہوتے ہیں۔ سڑکوں پر زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں۔" گکو نے کہا۔
"مگر موٹی قصائین بھی تو موٹی ہے۔" ٹینو نے احتجاج کیا۔
"موٹے دبلے سے کچھ نہیں ہوتا۔ انکم ٹیکس جمع کرنے کا بس یہی قانون ہے کہ جس کی جتنی آمدنی ہوتی ہے اسی کے مطابق ٹیکس ہوتا ہے۔ تمھیں اس دن بتایا تو تھا۔ اسی ٹیکس سے دنیا کے کام چلتے ہیں۔"
"مگر ہم بھی تو ٹیکس نہیں دیتے صوفی آلہ۔"
تم ابھی چھوٹے ہو۔ پڑھ لکھ جاؤ گے تو تمھیں بھی خرچے اٹھانے پڑیں گے۔ بال بچوں کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔ پھر "چندہ" دینا پڑے گا۔"
"کچھ جو اٹھائیں ہم سوروں کا خرچہ۔ پیدا ہوتے ہی مار ڈالیں گے۔ ہم سارے بچوں کو" گکو بولے۔ "اور اپنی تنخواہ کی ساری نانفیاں منگا کر کھا جایا کریں گے۔"
"تب تو جناب کے دانت بالکل سڑ کر گر جائیں گے۔" ٹینو نے یاد دلایا۔ "اور آپ صفا مر جائیں گے۔ اور پھر کیا آپ اماں کو بھی نہیں دیں گے پیسے۔"
"ہاں بس اماں کو آدھے پیسے دے دیا کریں گے۔ ہیں صوفی آلہ۔"
"ہاں بھئی کیوں نہیں دو گے۔ بات تو جب ہے کہ تم آج ہی سے حساب لگا کر رکھو کہ آج تک اماں نے تمہارے اوپر کتنے روپے خرچ کیے ہیں۔ بس اتنا ہی مع سود کے دے دینا۔"

اور پروفیسر کون بنے گا۔" صوفی آلہ نے پوچھا۔

"ککو اور بیلو بنتے ہیں تو بن جائیں۔ اپن تو صفا انکم ٹیکس افسر بن جائیں گے ٹیکس بھی نہیں دینا پڑے گا۔"

"اُفوہ۔۔۔ بھئی کیوں نہیں دینا پڑے گا۔"

"ارے واہ۔۔۔۔ جو استاد فیس ہم سے لیتے ہیں۔ انھیں تو نہیں دینا پڑتی۔"

"کافی کوڑھ مغز ہو۔ تمہیں کتنی دفعہ سمجھایا کہ جس کی آمدنی ہوتی ہے اسے ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ وہ چاہے کسی محکمے میں کام کرتا ہو۔" صوفی آلہ سلگ اٹھیں۔

"استاد انکم ٹیکس دیتے ہیں پھر فیس کس بات کی دیں گے۔"

"ٹیٹو صاحب نرے گھونچو ہیں۔"

"آپ خود گھونچو ہیں۔"

"اہا جناب مفت کی پکنک اڑانے کے منصوبے باندھ رہے تھے۔" "اچھا اب ٹمبل جاؤ یہاں سے سر گھوم گیا ہمارا۔"

تینوں نہایت اطمینان سے باقی چاکولیٹ جیبوں میں ٹھونس کر باہر نکلے۔ سیڑھیوں پر منی بھیا موت کا فرشتہ بنے کھڑے تھے۔

"نکالو سیدھے ہاتھ سے۔" وہ بولے۔

"کیا؟ تینوں چکرائے۔

"ٹیکس اور کیا؟

"ارے واہ۔۔۔ ٹیکس۔"

تمھیں چاکلیٹ ملے ہیں۔ کہو ہاں۔"

"ہاں۔۔۔۔ مگر آپ کو کیوں دیں واہ۔"

"اچھامت دو۔ ابھی جا کے صوفی آلہ سے۔۔۔۔۔۔"

"کیا کہیں گے آپ صوفی آلہ سے؟

"کہ جو آپ نے اتنا سر مار کر سمجھایا سب اکارت۔"

"مگر۔۔۔۔۔"

"ہم اگر مگر نہیں جانتے۔ دیکھو تمھیں چاکلیٹوں کی آمدنی ہوئی ہے؟ کہو ہاں۔"

"ہاں۔۔۔ مگر۔۔۔۔"

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" منن بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے منن بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"
من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" منن بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے منن بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"
من بھیانے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"
من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دوگے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" منن بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے منن بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دوگے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"
من بھیانے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے ڈسٹ بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"
من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" منن بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے منن بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" منن بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے منن بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"
من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"
من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہوگا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"

من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آگئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آکہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"
من بھیانے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آگئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آکہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"
منن بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آگئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے ڈسٹ بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے منن بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہوگا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"
منّن بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے منّن بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" منن بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آگئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے منن بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہوگا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"
منّ بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے منّ بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" منن بھیانے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے منن بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"
من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے ڈسٹ بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"
منن بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے منن بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔"
منن بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے ڈسٹ بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے منن بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" منن بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے منن بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" منن بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آ گئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے منن بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آگئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے دشت بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!

"بس تو تم پر ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ اگر نہیں دو گے تو پھر صوفی آلہ سے مانگنا۔ جوتے ملیں گے۔" من بھیا نے ڈرایا۔

تھوڑی دیر تینوں پریشان کھوئے رہے۔ انھیں وسیم بھائی یاد آگئے جو انکم ٹیکس افسر سے بچنے کے لیے ڈسٹ بن میں جا کر اوندھے منہ گرے تھے۔ سوچ بچار کے بعد طے ہوا کہ ٹیکس ادا کر دینے ہی میں خیریت نظر آتی ہے۔

مگر جب ٹیکس وصول کر کے من بھیا ہنستے ہوئے ٹل گئے تو تینوں کے دلوں میں شبہ نے پھن اٹھایا۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی تھی۔ یہ ٹیکس وصول کیا گیا تھا یا کھلی ہوئی ڈاکہ زنی تھی۔

ٹہلتے ٹہلتے تینوں جا کر تاج اکبر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آج چھٹی کا آخری دن تھا۔ چھٹیوں سے کچھ جی بھر چکا تھا۔ امید کے خلاف کچھ اسکول کھلنے کی ہلکی سی خوشی سی ہو رہی تھی۔ چھٹیوں میں کرنے کے لیے دیا ہوا ہوم ورک ختم ہو چکا تھا۔ تینوں کے نئے پتلون بنے تھے۔ نئے بستے آلہ بمبئی سے لائی تھیں۔ نئی برساتیاں تھیں۔ دیکھ کر لڑکوں پر رعب پڑ جائے گا۔ نیا کورس شروع ہو گا۔ نئے نئے لڑکے داخل ہوں گے مزہ آئے گا ان کی فاختہ اڑانے میں۔ چھٹیاں بری نہیں گزریں۔ بھیانک قسم کی شرارتیں کرنے پر بھیانک سزائیں بھی نہیں ملیں۔ دنیا کافی حسین تھی۔ مگر ابھی بہت کام کرنا تھا۔ سب سے پہلے تو بڑے ہونا تھا۔ بڑے ہو کر ڈیم بنانے تھے۔ ہوائی جہاز اڑانے تھے۔ راکٹ بنا کر چاند کی سیر کے لیے پروگرام بنانے تھے۔

اور پھر جیبوں میں خوشبودار چاکلیٹ بھرنے تھے!